

# سبھی کے جاننے کی باتیں

آیۃ اللہ ابراہیم امینی

مترجم: محمد اصغر صادقی

مجمع جهانی اہل بیت علیہم السلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتیٰ تھے تھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کر لیتی ہیں تاریکیاں کا فور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پر نور ہو جاتے ہیں، چنانچہ تمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔ اسلام کے مبلغ و موس سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمہ حق و حقیقت سے سیراب کر دیا، آپ کے تمام الہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑ گئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہب عقل و آگہی سے رو برو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کر لیا۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گراں بہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگناہیوں کا شکار ہو کر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کر دی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمہ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنہوں نے بیرونی انکسار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگاہی اور تقریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشتپناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑھی ہوئی میں، دشمنان اسلام اس فکری و مغنوی قوت و اقتدار کو توڑنے کے لئے اور

دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین و بے تاب میں یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھا کر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔ (عالمی اہل بیت کو نسل) مجمع جهانی اہل بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیت عصمت و طہارت کے پیروں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیا نے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و مغویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیت عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوت رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچا دی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انسانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے کھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، فاضل علام آقائی امینی مدظلہ کی گرانقدر کتاب ”ہمہ باید بدانند“ کو جناب مولانا محمد اصغر صادقی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزو مند ہیں، اسی منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنہوں نے اس کتاب کے مقرر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جهانی اہل بیت علیہم السلام

## فہرست مطالب

۱۰.....	دیباچہ
۱۰.....	بچے اور نوجوان
۱۱.....	ہماری ذمہ داری
۱۴.....	فصل اول
۱۴.....	خدا کی پہچان
۱۵.....	دنیا میں نظم و ترتیب
۲۰.....	خدا کے صفات
۲۲.....	یاد دہانی
۲۶.....	توحید
۲۸.....	نتیجہ
۲۹.....	عدل
۳۱.....	دوسری فصل
۳۱.....	نبوت
۳۳.....	نبی کے شرائط

خلاصہ..... ۳۳

نبی کو پہچاننے کا طریقہ..... ۳۴

انبیاء کی تعداد..... ۳۵

حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں..... ۳۵

ہمیشہ رہنے والا معجزہ..... ۳۶

حضرت رسول خدا ﷺ کے حالات زندگی..... ۳۷

اسلامی احکام..... ۳۸

تیسری فصل..... ۴۰

امامت..... ۴۰

امام کے صفات..... ۴۰

کمال اور فضیلت..... ۴۱

معجزہ..... ۴۱

امام کی پہچان..... ۴۱

امام اور نبی میں فرق..... ۴۲

تشخیصِ امام اور امام کی تعداد..... ۴۲

۴۴..... پہلے امام حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام

۴۸..... دوسرے امام حسن بن علی علیہما السلام

۴۹..... امام حسن کا واقعہ

۵۱..... تیسرے امام حضرت حسین ابن علی

۵۲..... چوتھے امام حضرت علی بن حسین زین العابدین علیہما السلام

۵۶..... پانچویں امام حضرت محمد بن علی الباقر علیہما السلام

۵۸..... چھٹے امام حضرت جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام

۶۰..... ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفر کاظم علیہما السلام

۶۱..... واقعہ

۶۲..... آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام

۶۳..... واقعہ

۶۴..... نویں امام حضرت محمد ابن علی الثقی علیہما السلام

۶۵..... دسویں امام حضرت علی بن محمد الثقی علیہما السلام

۶۶..... گیارہویں امام حضرت حسن بن علی العسکری علیہما السلام

۶۸..... بارہویں امام حضرت محمد بن حسن (صاحب الزمان) علیہما السلام

۷۰..... ائمہ طاہرین کے متعلق ہمارا عقیدہ

۷۱..... شیعہ

۷۲..... مسلمانوں کے متعلق ہمارا عقیدہ

۷۳..... چوتھی فصل

۷۴..... معاد (قیامت)

۷۸..... موت

۷۹..... برزخ

۸۰..... قیامت اور لوگوں کا قبروں سے نکلنا

۸۱..... جنت

۸۱..... جہنم

۸۲..... شفاعت

۸۳..... توبہ

۸۵..... پانچویں فصل

۸۵..... اخلاق

۸۷..... چھٹی فصل

۸۷.....فروع دین

۸۷.....نماز

۹۰.....نماز پڑھنے کا طریقہ

۹۳.....نماز کے ارکان

۹۴.....مسافر کی نماز

۹۵.....نماز آیات

۹۶.....روزہ

۹۸.....زکوٰۃ

۱۰۱.....خمس

۱۰۳.....حج

۱۰۴.....جہاد

۱۰۸.....حرام و باطل معاملات

۱۰۹.....نجس چیزیں

۱۱۰.....مطہرات

۱۱۰.....واجب غسل



۱۱۱ ..... تنہم کا طریقہ

۱۱۳ ..... تقلید

۱۱۶ ..... اسلام میں رہبری و قیادت

۱۱۷ ..... فہرست مصادر

## دیباچہ

ہم آپ سے سوال کریں گے کہ کیا اس دنیا کا پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یا یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی ہے؟ اگر خدا ہے تو اس کے صفات اور اس کے یہ کام کیسے ہیں؟ کیا خدا نے ہمارے لئے دنیا میں رہنے کے طریقے اور قانون و احکام وضع کئے ہیں کہ ہم اس کے مطابق عمل کریں یا نہیں؟ کیا خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء اپنے وعدے اور دعوے میں سچے تھے یا نہیں؟ کیا اس دنیا کے بعد کوئی دنیا موجود ہے یا نہیں؟ یعنی کیا انسان اپنے کئے ہوئے کاموں کی جزایا سزا پائے گا؟ انسان کی عقل ہمیشہ اور ہر وقت ان سوالات کے جواب کی تلاش میں رہتی ہے، اگر یہ سوالات واضح اور حل ہو جائیں تو اس کے ضمن میں سیکڑوں سوالات سے خود بخود نجات مل جائے گی، انسان کی عقل اچھے اور برے، غلط اور صحیح، حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے پر قادر ہے اور جب تک ان سوالات کو حل نہ کر لے، اس وقت تک اپنی جگہ پر آرام و اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتی، لہذا ان کا حل دل و دماغ کے لئے سکون کا باعث ہے۔

اس طرح کے موضوعات اور سوالات کو اصول دین کہتے ہیں، اصول دین ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق انسان کی روح اور عقل و فکر سے ہوتا ہے، اور اس میں عقلی دلیلوں ہی کا فہم گزر ہوتا ہے، اور تا حد نظر ثابت ہونے کے بعد اس کے اثرات اور اعمال انسان کے اعضا و جوارح سے رونما ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اصول دین میں تقلید کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ہر بالغ و عاقل کے لئے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو دلیلوں کے ذریعہ حاصل کرے، اگر انسان نے اپنے عقائد کو اساسی اور بنیادی دلیلوں کے ذریعہ حاصل کیا ہے تو اس کا دل اور اس کی عقل مطمئن ہو جائے گی اور اندرونی حیرانی و سرگردانی اور پریشانی سے نجات پا جائے گا، اس وقت انسان اپنی من پسند زندگی بسر کر سکتا ہے۔

## بچے اور نوجوان

صغیر سنی اور نوجوانی کے ایام ہی تہذیب و تربیت کے لئے بہترین دن ہوتے ہیں، ان دنوں میں بچوں اور نوجوانوں کے دل و دماغ اور غلط انکار سے پاک و صاف رہتے ہیں یعنی ان کی ذہنیت کثافتوں سے محفوظ مثل کمرہ کی فلم کے ہوتی ہے کہ جیسی چاہیں تصویریں

اتار لیں۔ اگر ان بچوں کی تعلیم و تربیت صحیح ڈھنگ اور عقائد کو دلیل و برہان کے ذریعہ بتائی جائیں تو ان کی عقل و روح میں وہ بات راسخ ہو جائے گی، اور ان کے بدن کا جزء لاینفک ہو جائے گا، پس ایسے افراد جہاں کہیں بھی رہیں اور جیسے افراد کے ساتھ رہیں انھیں بیٹھیں معاشرت کریں، ہرگز گمراہ نہیں ہوں گے لہذا اگر ایسے افراد غیر مہذب معاشرہ اور سوسائٹی میں پروان پڑھیں تو بھی اس ماحول میں ڈھل نہیں سکتے، بلکہ یہ چاہیں تو پورے سماج و معاشرہ کو اپنے رنگ میں ڈھال دیں۔

لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا معاشرہ صحیح تربیت و تعلیم سے محروم ہے کیونکہ انھوں نے اپنے والدین سے بھی عقائد کو اسی طریقے سے حاصل کیا ہے لہذا اس کے مطابق اپنے بچوں کو بغیر دلیل و برہان کے عقائد کی تعلیم دیتے ہیں، لہذا ان کا عقیدہ محکم و مستحکم نہیں ہو پاتا، دوسرے ایسے بعض خرافاتی اور بے بنیاد مسائل کو دین اسلام کا جز اور عقائد کی محکم کڑی کے عنوان سے فکر کرتے ہیں اور انھیں باطل عقیدوں کے ساتھ پرائمری پھر ہائی اسکول اور انٹر کالج اور اس کے بعد یونیورسٹی میں تعلیم کے لئے جاتے ہیں اور یہاں پر وہ مختلف افراد، متفرق عقائد کے لوگوں سے سروکار رکھتے ہیں، چونکہ ان کے عقیدہ کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی اور خرافاتی چیزوں کو مذہب کا رکن سمجھتے ہیں اس لئے مختصر سے ہی اعتراضات اور شبہات میں پریشان و متحیر ہو جاتے ہیں، علمی معیار و عقائدی معلومات کی کمی کی وجہ سے حق و باطل، اچھے اور برے، غلط و صحیح میں تمیز دے نہیں پاتے جس کے نتیجے میں اصل دین اور روح اسلام سے بدظن ہو جاتے ہیں، حیران و سرگردان زندگی بسر کرتے ہیں، یا کبھی طور پر اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں، یا کم از کم ان کے اخلاق و رفتار اور اعمال پر اتنا گہرا اثر پڑتا ہے کہ اب ان کے اعمال کی پہلی کیفیت باقی نہیں رہتی ہے اور احکام و عقائد سے لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی غلط تربیت اور اس کے اثر کو آپ معاشرے میں بخوبی مشاہدہ کر سکتے ہیں اور کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو ان بے چاروں کو ذلت و گمراہی کے اندھیرے سے نکالنے کی فکر کرے۔

### ہماری ذمہ داری

عقیدہ کی کمزوری، اور بے دینی، آنے والی نسلوں کو ایک بڑے خطرے سے دوچار ہونے کی دھمکی دی ہی ہے، سماج کا ہر فرد اور خصوصاً دین کے لیڈران، مولوی، ذاکرین، والدین، مربی، استاد، مصنفین و مؤلفین اور مالدار یہاں تک کہ سبھی حضرات اس عظیم فاجعہ اور بڑی مصیبت کے ذمہ دار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ایک منظم اور صحیح پروگرام کے تحت عقائد و اخلاق کی تعلیم، دلیلوں کے ذریعہ

سیدھے سادے افراد اور بچوں کے ذہن نشین کرائیں اور بے بنیاد، غلط ماحول اور رسم و رسومات کے خرافاتی عقائد کی بیخ کنی اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں، ان کے لئے آسان اور علمی کتابیں فراہم کریں، لائبریری بنائیں اور کم قیمت یا بغیر قیمت کے کتابیں ان کے اختیار میں قرار دیں، ہر ممکن طریقہ سے پڑھنے لکھنے کی طرف شوق و رغبت دلائیں۔

سر دست یہ کتاب حاضر جوانوں اور نوجوانوں کی دینی معلومات میں اضافہ کیلئے ترتیب دی گئی ہے، اور اس کے لکھنے میں مندرجہ ذیل نکات کی طرف بھرپور توجہ رکھی گئی ہے۔ ۱۔ کتاب کے مطالب دلیل و برہان کی روشنی میں نہایت سادہ اور آسان انداز میں بیان کئے گئے ہیں اور عقلی و عقائدی مطالب کے لئے عقلی دلیلوں کا ہی سہارا لیا گیا ہے اور جو چیزیں تقلیدی اور ضروریات اسلام سے ہیں جیسے فروع دین وغیرہ تو ان میں آیات اور روایات کو مد نظر رکھا گیا ہے اور ضروری مقامات پر حوالے کو حاشیہ میں لکھ دیا گیا ہے، اور بعض جگہوں پر اختصار کے سبب حوالے سے دوری اختیار کی گئی ہے۔

۲۔ رسول خدا اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی ولادت اور وفات کی تاریخوں میں چونکہ اختلاف پایا جاتا ہے اس لئے اختصار کے طور پر فقط ایک قول کو منتخب کیا گیا ہے اور باقی اقوال سے چشم پوشی کی گئی ہے۔

۳۔ مؤلفین کو چاہیے کہ اپنے علمی مطالب کو آسان اور سادہ انداز میں بیان کریں تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد استفادہ کر سکیں اور حتی المقدور لکھنے میں اصولی و فلسفی اصطلاحوں سے گریز کیا جائے تاکہ کتاب لوگوں کو تھکانے اور مغراری کا سبب نہ بنے۔

۴۔ مشکوک و مخدوش، بے فائدہ اور ضعیف مطالب سے اجتناب کیا گیا ہے۔

۵۔ اس کتاب میں ان مہم مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا جاننا ہر مسلمان پر واجب ہے اور دین اسلام کے مفہوم کو خلاصہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے، تاکہ قارئین دہشتی کے ساتھ پڑھیں اور پھر تفصیلی کتابوں کی طرف مائل ہوں۔ قارئین کرام اس مختصر سی کتاب میں فروع دین اور عقائد و اخلاق کے تمام مسائل کو بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ نہایت مختصر ملحوظ خاطر تھا تاکہ آپ حضرات دوسری تفصیلی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ موجودہ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا حصہ، عقائد؛ یعنی ایسے مطالب کو شامل ہے جو انسان کی عقل و فکر اور اعتقاد سے مربوط ہیں اور اصلاً اس میں کسی کی تقلید و پیروی کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ ان کو فقط عقلی دلیلوں سے ہی حل کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا حصہ، اخلاق: اس میں وہ چیزیں بیان ہوئی ہیں جو انسان کی باطنی حالت اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں، اس کے راہ حل اور سدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔

تیسرا حصہ، فروع دین: یعنی احکام و قوانین جو انسان کے اعضا و جوارح سے تعلق رکھتے ہیں، کہ ان پر عمل کرنا ضروری و واجب ہے آخر میں ہم قارئین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ کوئی اچھی تجویز ہو یا کوئی کمی نظر آئے تو مؤلف کی خدمت میں پیش کریں، تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

قم۔ حوزہ علمیہ۔ ابراہیم امینی

خرداد ۱۳۴۹

## فصل اول

### خدا کی پہچان

علم کی اہمیت اسلام علم و عقل کا دین ہے مسلمانوں سے دہچی کے ساتھ علم حاصل کرنے کو چاہتا ہے، اسلام لوگوں کی اہمیت علم و دانش سے دیتا ہے اور حصول علم کو تمام لوگوں پر واجب و لازم جانتا ہے، خداوند عالم نے قرآن مجید میں فرمایا: اے رسولؐ! پوچھو! بھلا جاننے والے اور نہ جاننے والے کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اور خدا قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: خدا مومنین کے مقام کو بلند کرتا ہے اور علماء کو سب سے بلند درجہ تک پہنچاتا ہے<sup>۱</sup> رسولؐ خدا فرماتے ہیں: علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے<sup>۲</sup> آنحضرتؐ نے فرمایا: عالم وہ ہے جو دوسروں کی معلومات اور اطلاعات سے فائدہ حاصل کرے اور اپنے علم میں اضافہ کرے۔ یہی اہمیت شخص وہی ہے جس کے اعمال و حنات زیادہ ہوں۔

اور لوگوں میں بے اہمیت وہ ہے جس کے پاس علم و آگہی نہ ہو<sup>۳</sup> حضرت علی امیر المومنینؓ فرماتے ہیں: علم سے بہتر کوئی خزانہ نہیں ہے<sup>۴</sup> حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہارے جوانوں کو دو حال میں پسند کرتا ہوں علم حاصل کرنے والے یا تعلیم دینے والے ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو انھوں نے کوتاہی کی ہے، اور ہر کوتاہی کرنے والا عمر ضائع کرتا ہے اور عمر کو برباد کرنے والا گنہگار ہے اور گنہگار کا ٹھکانہ جہنم ہے<sup>۵</sup>۔

حضرت باقر العلومؓ فرماتے ہیں: جو شخص حصول علم میں رات و دن سرگرم رہے وہ اللہ کی رحمت میں شریک ہے<sup>۶</sup>۔ حضرت سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا: اے ابوذر! علمی گفتگو میں ایک گھنٹہ رہنا، اللہ کے نزدیک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے، جس کی ہر رات میں ہزار رکعت نماز پڑھی گئی ہو<sup>۷</sup>۔

<sup>۱</sup> سورہ زمر آیت ۹۔

<sup>۲</sup> سورہ مجادلہ آیت ۱۱۔

<sup>۳</sup> بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۷۷۔

<sup>۴</sup> بحار الانوار، ج ۱، ص ۱۶۴۔

<sup>۵</sup> بحار الانوار ج ۱، ص ۱۶۵۔

<sup>۶</sup> بحار الانوار ج ۱، ص ۱۷۰۔

<sup>۷</sup> بحار الانوار ج ۱، ص ۱۷۴۔

<sup>۸</sup> بحار الانوار ج ۱، ص ۲۰۳۔

خدا کی پہچان خداوند عالم نے دنیا کو پیدا کیا اور اسے منظم طریقہ سے چلا رہا ہے، کوئی بھی چیز بغیر سبب کے وجود میں نہیں آتی ہے مثال کے طور پر اگر ہم کسی نئے گھر کو دیکھیں تو یقین کریں گے کہ اس کا بنانے والا، کارگر و مزدور اور نقشہ کھینچنے والا انجینئر کوئی ضرور ہوگا، یعنی یہ گھر انہیں افراد کی زحمات کا نتیجہ ہے کسی کے خیال میں بھی نہیں آئے گا کہ یہ خود بخود تیار ہو گیا ہوگا۔ اگر ہم ٹیل پر قلم اور سفید کاغذ رکھ کر چلے جائیں اور واپسی پر دیکھیں کہ اس پر کسی نے لکھا ہے تو دیکھ کر ہمیں اطمینان سا ہو جائے گا کہ ہماری غیر موجودگی میں کوئی آیا تھا، اور اس پر اپنے آثار چھوڑ گیا ہے اگر کوئی کہے بھائی صاحب آپ کی غیر موجودگی میں یہ قلم خود ہی اس پر رواں ہو گیا اور اس نے یہ تمام چیزیں لکھ دی ہے تو ہم اس کی باتوں پر تعجب کریں گے اور اس کی بات غیر معقول قرار دیں گے، اگر ہم کسی مقام پر خوبصورت تصویر بہترین پارک میں بنی ہوئی دیکھیں جو ہر ایک کا دل اپنی طرف بھا رہی ہو تو کیا ہمارے ذہن میں یہ بات آئے گی کہ ہونہ ہو یہ خود بخود بن گئی ہوگی۔

ہم گاڑی میں باتیں کرتے ہوئے چلے جا رہے تھے اتفاق سے گاڑی رک گئی ڈرائیور کو اطمینان ہے کہ گاڑی بغیر وجہ کے نہیں رکے گی، کوئی نہ کوئی ضرور موٹر میں خرابی آئی ہے، اور بنانے کے لئے تمام کوششیں کر رہا ہے ہم کہیں بھائی ٹھہرو ابھی گاڑی خود بخود صحیح ہو کر چلنے لگے گی! ہمارے ہاتھ کی گھڑی چلتے چلتے رک گئی ہم نے بنانے والے کو دیا، کیا وہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ابھی خود ہی سے ٹھیک ہو جائے گی۔

آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ کسی چیز کا وجود بغیر علت کے نہیں ہوتا ہے، اور اس کی تلاش ہر شخص کو ہوتی ہے، اب میں آپ سے سوال کروں یہ اتنی بڑی طویل و عریض دنیا بغیر کسی پیدا (بنانے والے) کرنے والے کے پیدا ہو گئی ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے، اتنی بڑی اور منظم دنیا پھیلے ہوئے دریا بہکتے ہوئے ستارے اور دکھتا ہوا سورج یہ رات دن کا آنا جانا، فصلوں کی تبدیلی، درختوں کے شباب، گلوں کے نکھار بغیر کسی بنانے والے کے نہیں ہو سکتا۔

### دنیا میں نظم و ترتیب

اگر ہم ایک ایسی عمارت دیکھیں جو نہایت منظم اور با ترتیب بنی ہوئی ہو کہ اس کے اجزاء آپس میں اچھی طرح خوب ملے ہوئے ہوں اور اس میں رہنے والوں کیلئے تمام ممکن ضروریات کی چیزیں بھی باقاعدہ اپنی اپنی جگہ پر فراہم ہو یعنی اس میں کسی طرح کا کوئی عیب

و نقص نظر نہ آ رہا ہوا جالے کے لئے بجلی، پینے کے لئے بہترین پانی، سونے کے لئے کمرہ، کچن، مہمان خانہ، جام پیشاب خانہ اور جاڑے میں گرم کرنے کے لئے میٹر، گرمی میں سرد کرنے کے لئے (AC) اور کولر بہت ہی نفاذ سے پانی کے پائپ اور بجلی کے تار بچھے ہوئے ہوں۔ اور اس کی بناوٹ میں ڈاکٹری پہلوؤں پر خاص توجہ دی گئی ہو، سورج کی ٹکیا پورے طور پر اس گھر میں نور چھڑک رہی ہو، جب ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں تو ہماری عقل فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ یہ ہر لحاظ سے منظم گھر خود بخود نہیں بنا ہوگا، بلکہ اس کے بنانے اور سنوارنے والا کوئی باہوش مدبر، دقت میں، نہایت خرافت سے نقشہ کے مطابق بنایا ہے۔ اس مثال کے ذکر کے بعد چاہتا ہوں کہ اپنی روزانہ کی زندگی پر آپ لوگوں کی توجہ مبذول کراؤں انسان اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے پانی اور کھانے کا محتاج ہے کہ کھانا کھائے اور پانی پئے اور بدن کے خلیوں (CELLES) کی ضروریات کو پورا کرے تاکہ بدن کے تمام خلیہ زندہ اور اپنے کاموں میں مشغول رہ کر ہماری زندگی کو اچھی طرح قائم و دائم رکھیں، ضروری ہے کہ مختلف انواع کے کھانے کھائیں اور ان کو فوت ہونے سے بچائیں ورنہ انھیں کے ساتھ زندگی کے چراغ مدھم ہونا شروع ہو جائیں گے۔

انسان اپنی زندگی کے لئے مفید ہوا کا نیاز مند ہے تاکہ اس کو جذب کرے اور داخلی جراثیم کو باہر نکال کر حیات کو تازگی بخٹے، آپ ملاحظہ کریں، کس طرح ہماری زندگی کو بہترین بنانے کے لئے ضروریات کی تمام چیزیں خارج میں موجود ہیں اگر کھانا تلاش کریں تو مختلف انواع و اقسام کے کھانے موجود ہیں اگر زندگی کے لئے گیہوں، چاول، سبزی، پھل اور گوشت وغیرہ کی تلاش ہو تو تمام کی تمام چیزیں خارج میں موجود ہیں، اگر پانی یا ہوا کی ضرورت ہو تو باہر موجود ہے پاؤں ہوں تو کھانے کی تلاش میں نکل سکتے ہیں آنکھیں ہوں تو مناسب اچھی غذائیں دیکھ سکتی ہیں اور ہاتھ ہوں تو اٹھا سکتے ہیں۔

اور پیدا کرنے والے نے ہاتھ کو بھی کیا خلق کیا ہے کہ پورے طور پر ہمارے اختیار اور ہماری ضروریات کو مختلف انداز میں پورا کرنے کے لئے تیار ہے جس طرح اور جس وقت چاہیں اٹھائیں بیٹھائیں فقط ہمارے ارادہ کے محتاج ہیں، جیسا ارادہ ہو ویسا کریں، بند کرنا چاہیں تو کھلے نہ، اور کھولنا چاہیں تو بند نہ ہو، کس قدر تعجب خیز ہے ہاتھوں کی بناوٹ اور اس میں انگلیوں اور ہتھیلیوں کی خرافت، ہونٹوں کو پیدا کیا تاکہ منہ کو بند رکھیں لقمہ باہر آنے سے محفوظ رہے۔ مشکل ترین مسئلہ یہ ہے کہ بدن کی ضروری غذائیں جو رنگ برنگ اور مختلف اقسام کے ساتھ پائی جاتی ہیں کیا یہ اتنی آسانی سے بدن کے خلیوں کے لئے لائق استفادہ ہو سکتی ہیں؟ ہر شخص کہہ سکتا ہے، نہیں بلکہ اس میں بہترین طریقہ سے تغیر و تبدیلی وقع ہو، تاکہ وہ بدن کے استفادہ کے مطابق ہو سکے، انسان کی داخلی مشینری



(Machinery) غذا کو چار مرحلہ کے بعد ہضم کے لائق بناتی ہے لہذا (بطور عبرت) خلاصہ قارئین کے پیش خدمت ہے۔ پہلا مرحلہ: خداوند عالم نے ہمارے منہ میں دانت جیسی نعمت دی جو غذا کے مطابق لقمہ کو چبا کر ریزہ ریزہ کرنے کے کام آتے ہیں، اور زبان میں حرکت عطا کی تاکہ لقمہ کو مناسب دانتوں کی طرف ہدایت کرے اور منہ کے اندر بعض حصوں کو ایسا مزہ بنایا جو کھانے کے ذائقہ اور اس کی اچھائی و خرابی، مٹھاس اور تلخی کو دماغ کی طرف منتقل کرتے ہیں، اور اسی لقمہ (غذا) کے مطابق، مرطوب اور نرم کرنے کے لئے مخصوص پانی چھوڑتے ہیں، تاکہ وہ لقمہ آسانی سے چبانے اور نگلنے کے لائق ہو جائے اس کے علاوہ یہ منہ کے پانی غذا کو ہضم کرنے میں کافی مدد کرتے ہیں اور خود اس کے اندر شیمیائی اور کییمیائی طاقتیں بھرپور پائی جاتی ہیں۔

دوسرا مرحلہ: جب دانت اپنے کام سے فارغ ہو جائے یعنی لقمہ نگلنے کے لائق ہو جائے تو غذا منہ کے راستہ کے ذریعہ معدہ میں پہنچ جاتی ہے، لقمہ کو نیچے جاتے وقت چھوٹی زبان (کوا) ناک اور سانس کے سوراخ کو بند کر دیتی ہے اور اس مخصوص پردہ کے ذریعہ ناک و سانس کے راستے کو بن کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کھانا ناک کے سوراخ میں نہ چلا جائے۔

تیسرا مرحلہ: کھانا کچھ دیر معدہ میں رہتا ہے تاکہ وہ ہضم کی صلاحیت پیدا کر لے، معدہ کی دیواروں میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے غدود پائے جاتے ہیں جس سے خاص قسم کا سیال پانی نکلتا ہے لہذا اس کے ذریعہ کھانا ہضم اور بہنے والے پانی کے مانند ہو جاتا ہے۔

چوتھا مرحلہ: غذا پتی نالیوں کے ذریعہ (آنت) پت کی تھیلی میں جاتی ہے اور وہاں پر بڑا غدود جس کو (لوزالمعدہ) کہتے ہیں، جس سے مخصوص قسم کا سیال اور غلیظ پانی نکلتا ہے جو غذا کو ہضم کرنے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے، کھانا آنت میں بہنے والی چیزوں کی طرح رہتا ہے، اور اس آنت کی دیواروں پر لگے ہوئے غدود اس سے غذائی مواد حاصل کرتے ہیں، اور اس مواد کو خون کی صورت میں تبدیل کر کے تمام بدن میں پہنچاتے ہیں اور دل جو برابر حرکت میں رہتا ہے، ان قیمتی مواد کو خون کے ذریعہ بدن کے تمام حصوں میں بھجھتا ہے اور اس طریقہ سے انسان کے بدن کے تمام خلیے اپنی اپنی غذائیں حاصل کرتے ہیں۔

توجہ کی بات ہے کہ انسان کے عضلات اور دنیا کی چیزوں میں کس قدر ارتباط اور رابطہ پایا جاتا ہے، کیا اب بھی کسی میں ہمت ہے جو کہے یہ دنیا خود بخود پیدا ہو گئی ہے! اگر ہم اپنے بدن کی ساخت پر نظر ڈالیں اور اعضاء بدن کے اندر جو دقیق و عمیق ریزہ کاری اور باریک بینی کا مظاہرہ کیا گیا ہے غور و فکر کریں تو تعجب کی انتہا باقی نہ رہے گی کہ اس بدن کے اجزا اور دنیاوی چیزوں کے درمیان کیا گہرا تعلق اور رابطہ پایا جاتا ہے جس سے ہمارے لئے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اور دوسری تمام چیزیں، خود

بخود وجود میں نہیں آئی ہیں۔ بلکہ پیدا کرنے والے نے بہت ہی تدبیر اور ذرہ بینی اور تمام ضروریات کو مد نظر رکھنے کے بعد خلق فرمایا ہے، کیا خدا کے علاوہ کوئی ہو سکتا ہے جو انسان اور دنیا کے درمیان اتنا گہرا رابطہ پیدا کر سکے؟ کیا طبیعت جس میں کوئی شعور نہیں ہے انسان کے ہاتھوں کو اس طرح موزوں اور مناسب خلق کر سکتی ہے؟ کیا طبیعت کے بس کا ہے جو انسان کے منہ میں ایسا غدود رکھے جس سے انسان کا منہ ہمیشہ تروتازہ بنا رہے؟ کیا چھوٹی زبان (کوا) جو سانس اور ناک کے مقام کو ہر لقمہ اور ہر قطرہ پانی سے محفوظ رکھتی ہے خود بخود بن جائے گی؟ کیا یہ معدہ کے غدود جو غذا کے لئے ہاضم بنتے ہیں خود بخود خلق ہوئے ہیں؟ وہ کونسی چیز ہے (لوزالمعدہ) جو بڑے غدود کو حکم دیتی ہے کہ وہ سیال اور غلیظ پانی کا غذا پر چھڑکاؤ کرے؟ کیا انسان کے دو عضوا اپنے فائدہ کا خود خیال رکھتے ہیں؟ وہ کیا چیز ہے جو دل کو مجبور کرتی ہے کہ وہ رات و دن اپنے وظائف کو انجام دے اور پروٹین (Protein) حیاتی ذرات کو بدن کے تمام حصوں میں پہنچائے؟

ہاں، خداوند عالم کی ذات ہے جو انسان کے عضلاتی مجموعے کو صحیح طریقہ اور اصول پر منظم رکھتے ہیں۔ بچنے کا زمانہ اب ہم اپنی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر بھی نظر ڈالیں، جب ہم نے دنیا میں آنکھیں کھولیں، تو اتنے لاغر و کمزور تھے کہ بات کرنے کی بھی تاب نہیں رکھتے تھے چل کر معاش فراہم کرنا کیسا؟ ہمارے ہاتھوں میں تو لقمہ اٹھانے کی طاقت نہیں تھی جو اٹھاتے اور منہ میں رکھتے، منہ میں کیا رکھتے کہ چبانے کے لئے دانت نہیں تھا، معدہ میں ہضم کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی، اس حال میں سب سے بہترین غذا خداوند عالم نے دودھ کو ہمارے لئے قرار دیا۔

جب ہم نے دنیا میں آنکھیں کھولی تو خدا نے اس سے پہلے ہی ماں کے سینہ میں ہماری غذا رکھ چھوڑی تھی، اس کے دل میں ہماری محبت اور الفت کی جگہ دی تاکہ رات و دن کے ہر لمحات میں ہمارے لئے زحمت و مشقت برداشت کرے، ہماری زندگی کو اپنی زندگی ہمارے آرام کو اپنے لئے آرام سمجھے جب تھوڑا بڑے ہوئے ہاتھ پاؤں آنکھ کان اور معدہ کی قوت کے سبب سنگین غذاؤں کی طرف ہاتھ بڑھانا اور معمولی دانتوں سے کھانا شروع کیا۔

انصاف کریں: کس نے ہمارے لئے محبت پیدا کی؟ اور ہمارے بچنے کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ماں جیسی شفیق و مہربان خاتون بنایا؟ کس نے اس وسیع و عریض دنیا بھگنے والے ستارے سورج اور چاند کو خلق کیا؟ کس نے اس دنیا کو منظم و مرتب پیدا کیا؟ کس نے زمین اور چاند کو عمیق حسابوں سے رواں دواں کیا؟ یہ جاڑے، گرمی، برسات اور خزاں کو کس نے معین فرمایا؟ آنکھ، کان،

زبان، معدہ، دل، کلیجہ، آنت، پھیپھڑا، ہاتھ پاؤں، دماغ اور دوسرے تمام بدن کے عضلات اس مہارت سے کام کرنے والے کس نے بنائے ہیں؟ کیا ممکن ہے بے شعور و بے ارادہ طبیعت، حیوان و انسان کے اعضا کو پیدا کرنے کی علت بن سکتی ہے؟ جب کی آنکھ جیسا حصہ، نہات دقت و باریک بینی کو گھیرے ہوئے ہے نہیں ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے بلکہ خدائے مہربان نے ان کو پیدا کیا ہے وہی ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور زندہ رکھتا ہے اور مارتا ہے، خدا ہی ہے جو بندوں کو دوست رکھتا ہے اور ان کے لئے تمام نعمتوں کو پیدا کرتا ہے ہم خدا کو چاہتے ہیں اور اس کے سامنے عاجزی و فروتنی سے سر جھکاتے ہیں، اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ کسی کو متحق عبادت و اطاعت نہیں جانتے، اور اپنے سر کو دوسروں کے سامنے عاجزی و ذلت سے نہیں جھکاتے ہیں۔

ہر موجود کے لئے علت کا ہونا ضروری ہے ہم جن چیزوں کی تحقیق کرنا چاہتے ہیں اس کے وجود اور موجود ہونے میں کیسے فکر کریں؟ اس مطلب کو ہم اپنے وجدان سے درک کر سکتے ہیں کہ یہ موجود خود بخود وجود میں نہیں آئی ہے موجود کے لئے وجود، عین ذات نہیں ہے مقام ذات میں وجود و عدم سے خالی ہے اور وجود و عدم دونوں ہی اس کو چاہتے اور یہ دونوں کی قابلیت رکھتے ہیں ایسے موجود کو ممکن کہتے ہیں مثلاً پانی پر توجہ کریں ہم وجدانا کہیں گے کہ پانی درحقیقت نہ وجود ہے اور نہ ہی عدم، نہ بالذات وجود چاہتا ہے اور نہ عدم بلکہ دونوں کی نسبت مقام اقتضا اور خواہش ہے وہ چاہے وجود کو لے کر موجود ہو جائے اور چاہے تو عدم ہی رہے۔ پانی کی طرح دنیا کی تمام چیزیں مقام ذات میں اپنے وجود و عدم سے خالی ہیں یہاں پر ہماری عقل کہتی ہے موجودات چونکہ مقام ذات میں خود یہ وجود نہیں رکھتی ہیں، اگر چاہیں تو وجود میں آجائیں تو چاہیے کہ ایک دوسرا عامل ہو جو اس کے نقائص اور کمی کو دور کرے تاکہ وہ چیز موجود اور ظاہر ہو سکے۔

مقام ذات میں تمام موجودات فقیر اور ضرورت مند ہیں جب تک کہ ان کی احتیاج پوری نہ ہو ان پر وجود کا لباس نہیں آسکتا ہے اور وہ چیز موجود نہیں ہو سکتی ہے، تمام دنیا چونکہ اپنی ذات میں کمی و نقص رکھتی ہے اور خود مستقل اور اپنے پیروں پر نہیں ہے لہذا ممکن ہے، تو چاہیے ایک کامل مستقل اور بے نیاز وجود رکھنے والا جس کا وجود خود عین ذات ہو، اور اس کے لئے ممکن ہونے کا تصور بھی محال ہو، آئے اور اس کو وجود کا لباس پہنائے ایسے وجود کامل کو واجب الوجود اور خدا کہتے ہیں، خدا کی ذات عین وجود ہے اور اس کے لئے عدم و نابودی اصلاً متصور نہیں ہے یعنی خود اس کا وجود عین ذات اور مستقل ہے (جیسے دال نکمین ہے نمک کی

وجہ سے اور نمک خود اپنی وجہ سے نکلیں ہے) اور تمام دنیا اور موجودات اس کے ضرورت مند و محتاج میں اور اسی سے اپنا وجود حاصل کرتے ہیں۔

### خدا کے صفات

خدا کے صفات: اللہ کے صفات کو کلی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے صفات ثبوتیہ یا جالیہ صفات سلبیہ یا جلالیہ۔ صفات ثبوتیہ: ہر وہ صفت جو اصل وجود کے کمال اور اس کی اہمیت میں اضافہ اور اس کی ذات کو کامل کرنے کے لئے لائی جائے اس شرط کے ساتھ کہ موصوف اور ذات میں کوئی تغیر و تبدیلی لازم نہ آئے، ان صفات کو جالیہ یا صفات ثبوتیہ کہتے ہیں جیسے علم و قدرت حیات و محکم۔

ان صفات کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے آسان سی مثال دیتے ہیں، اگر ہم دو آدمیوں میں علم و جہل کے عنوان سے تقابل کریں تو اس مطلب کو بخوبی درک کر سکتے ہیں کہ جاہل کے مقابلے میں عالم پُر اہمیت اور فائدہ بخش ہے، لہذا یہ عالم جاہل کے مقابلے میں برتری و فضیلت کا پہلو رکھتا ہے لہذا ہم فیصلہ کریں گے کہ کمالات کے صفات میں ایک علم بھی ہے، اور ایسے ہی دوسری صفتوں کو مقابلہ کرنے پر حقیقت و برتری صفات جالیہ کی کھل کر روشن ہو جائیگی اور یہ تمام صفات اس کے لئے ثابت ہیں، اس مطلب کو مزید واضح کرنے کے لئے ہم دو دلیلوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: خداوند عالم نے خیر و خوبی اور اچھائیوں کو لوگوں کے لئے پیدا کیا ہے کیونکہ انسان اپنے وجود میں خدا کا محتاج ہے ایسے ہی اپنے صفات اور وجودی کمالات میں بھی اسی کا محتاج ہوتا ہے، خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا، لیکن اپنی بقا میں انسان مستقل وجود نہیں رکھتا ہے، تمام خیر و خوبیوں کو خدا نے انسان کے لئے پیدا کیا، مگر خود یہ خوبیاں اپنی بقا میں مستقل وجود نہیں رکھتی ہیں معلوم ہوا خواہ ذات ہوں اور خواہ صفات ہر حال میں اسی کی محتاج ہیں (بے نیاز نہیں ہیں) لہذا خدا ہی ان صفات کمال و جمال کا پیدا کرنے والا ہے۔ اگر ہم تھوڑا دھیان دیں تو یہ حقیقت کھل کر آشکار ہو جائے گی کہ خدا نے انسان کے لئے تمام کمالات کو پیدا کیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کمالات سے اپنے کو خالی رکھے، یا اس کے پاس موجود نہ ہو اگر اس کے پاس نہ ہوگا تو دوسروں کو کیسے دے سکتا ہے (فاقد الشيء لا يعطى الشيء) لہذا ماننا پڑے گا کہ خدا کے پاس تمام کمالات و خوبیاں موجود ہیں، اور اسی نے لوگوں

کے لئے ان صفات کو قرار دیا ہے، جب تک چراغ روشن نہ ہو، دوسروں کو روشن نہیں کر سکتا جب تک پانی خود تر نہ ہو دوسری چیزوں کو تر نہیں کر سکتا ہے۔ دوسری دلیل: ذات پروردگار عالم مطلق ہے یعنی اس کی ذات میں کسی طرح کی قید و حد اور نقص نہیں پایا جاتا ہے جب وہ محدود و ممکن نہیں ہے تو وہ کسی کا محتاج بھی نہیں اور نہ ہی اپنے وجود کو کسی دوسرے سے لیا ہے اس لئے کہ محتاج و ضرورت مند وہ ہوتا ہے جو محدود ہو یا جس میں کمی پائی جاتی ہو لیکن خدا کی ذات مطلق تام و کامل و واجب الوجود ہے لہذا جو صفت بھی کمال کے اوپر دلالت کرے گی خداوند عالم کے لئے ثابت ہے اس سے خدا کی ذات محدود یا مقید نہیں ہوتی، بلکہ اس صفات کا خدا میں نہ پایا جانا اس کی ذات میں نقص کا باعث ہے کیونکہ ان صفات کمالیہ کا خداوند عالم میں نہ پایا جانا ضرورت اور احتیاج کا سبب ہے، جب کہ خدا کی ذات واجب الوجود اور بالذات بے نیاز ہے۔

صفات ثبوتیہ: خداوند عالم میں پائی جانے والی صفتیں یہ ہیں: ۱۔ قدرت: خدا قادر ہے یعنی جس کام کو انجام دینا چاہے انجام دیتا ہے کسی کام کے کرنے پر مجبور اور عاجز نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قدرت کے لئے کوئی جگہ مخصوص ہے بلکہ اس کی قدرت حد بندی سے خالی ہر جگہ موجود ہے۔

۲۔ علم: خدا عالم ہے یعنی تمام چیزوں کو جاننے والا اور تمام موجودات پر احاطہ و قدرت رکھنے والا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے یہاں تک کہ بندوں کے افکار و خیالات سے بھی واقف ہے اور ہر چیز اس کے سامنے ہے۔

۳۔ حیات: خدا حی ہے خداوند عالم اپنے کاموں کو علم و ارادہ و قدرت سے انجام دیتا ہے خدا انسانوں کی طرح سانس کے آنے اور جانے کے مثل زندہ نہیں ہے وہ چونکہ اپنے کام کو علم و ارادہ اور قدرت سے انجام دیتا ہے اس لئے اس کو حی کہتے ہیں۔

۴۔ ارادہ: خدا مرید ہے اپنے کاموں کو قصد و ارادہ سے انجام دیتا ہے آگ کی طرح نہیں کہ بغیر ارادہ جلا دے خداوند عالم کا وجود و وجود کامل ہے جو اپنے ارادہ سے کام کو انجام دیتا ہے، مثل فاعل مجبور اور بے ارادہ نہیں ہے۔

۵۔ بصیر ہے: خداوند عالم دیکھنے والا ہے تمام پیدا ہونے والی چیزوں کو دیکھنے والا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

۶۔ سمیع ہے: خدا سننے والا ہے تمام سننے والی چیزوں کو سنتا ہے کسی چیز سے غافل نہیں ہے۔

۷۔ قدیم و ابدی ہے: قدیم یعنی ہمیشہ سے ہے اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے ابدی یعنی ہمیشہ رہے گا اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

۸۔ متکلم ہے: حقیقت کو دوسروں کے لئے اظہار اور اپنے مقصد کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔

ان صفات کو صفات ثبوتیہ یا جالیہ کہتے ہیں جو خداوند عالم میں موجود اور اس کی عین ذات میں۔

### یاد دہانی

چونکہ ہم ناقص ہیں اس لئے ہم اپنے کام کو بغیر کسی آلات کے انجام نہیں دے سکتے قدرت و طاقت کے باوجود بھی اپنے اعضا و جوارح کے محتاج ہیں سننے کی طاقت کے باوجود کان کے ضرورت مند ہیں دیکھنے کی طاقت کے ہوتے ہوئے آنکھ کے محتاج ہیں، چلنے کی طاقت کے ہوتے ہوئے بھی پاؤں کے نیاز مند ہیں۔ خداوند عالم کی ذات جو کمال مطلق کی حامل ہے وہ کسی کام میں دوسروں کی محتاج نہیں ہے، لہذا خداوند عالم قادر مطلق بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے، بغیر کان کے سنتا ہے، بغیر اعضا و جوارح (جسم و جمائیت سے خالی) کے تمام کام کو انجام دیتا ہے، ہر ایک کی بگڑی بناتا ہے۔ ہمارے خیال میں دیکھنے اور سننے کے لئے فقط آنکھ، کان ہی کی راہ پائی جاتی ہے، لہذا جس کا کان صحیح اور آنکھ دیکھنے والی ہے تو کہتے ہیں کہ وہ دیکھتا اور سنتا ہے، ورنہ اندھا و بہرہ ہے۔

لیکن دیکھنے اور سننے کی اس کے علاوہ بھی راہ پائی جاتی ہے اور درحقیقت وہی اصل دیکھنا اور سننا ہے اگر آنکھ کے وسیلہ سے دیکھا تو کیا دیکھا، کان کے ذریعہ سے سنا تو کیا سنا، خدا کسی بھی وسیلہ و اسباب کا محتاج نہیں ہے، لہذا بغیر وسیلہ کے سننا اور دیکھنا ہے کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔ ہم محدود و محتاج ہیں لہذا ہر کام میں کسی کے محتاج ہیں اگر اس دائرہ سے باہر ہوں یعنی محدود و ناقص نہ ہوتے تو ہم بھی بغیر آنکھ کے تمام چیزیں دیکھتے، اور بغیر کان کے تمام آوازیں سنتے اور کہا جائے کہ سننے اور دیکھنے کی حقیقت دراصل اس پر صادق آتی ہے، جیسے ہم خواب میں بغیر آنکھ و کان کے دیکھتے اور سنتے اور تمام کام انجام دیتے ہیں۔

مگر خداوند عالم کی ذات والا صفات جو نہایت درجہ کمال اپنے وجود میں رکھتا ہے، اس کی بنائی ہوئی تمام چیزیں، اس کا ہر ایک کام، بے عیب و نقص ہے کیونکہ وہ کامل ہے اس کے افعال بھی حد درجہ کمال رکھتے ہیں۔ خدا کی صفات ذاتیہ اور فعلیہ

صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں : ۱. صفات ذاتیہ

۲۔ صفات فعلیہ صفات ذاتیہ : ان صفات کو کہا جاتا ہے جو ہمیشہ خدا کی ذات کے لئے ثابت ہیں اور اس کی ذات کے علاوہ کسی چیز پر موقوف نہیں ہے، ان کو صفات ذاتیہ کہتے ہیں جسے علم و قدرت وغیرہ۔ یہ صفات ذاتیہ ہمیشہ خدا کے ساتھ ہیں بلکہ اس کی عین

ذات میں ان کا ثبوت کسی دوسرے وجود پر موقوف نہیں ہے خدا کی ذات عالم تھی دنیا کو خلق کرنے سے پہلے قادر ہے چاہے کسی چیز کو نہ پیدا کرے، ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گا موجودات میں یا نہ رہیں، اس کا علم و قدرت و حیات وغیرہ سب عین ذات میں، کبھی بھی اس کی ذات ان صفات کمالیہ سے خالی نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے کہ وہ عین ذات ہے، ورنہ خدا کی ذات کا محدود و ناقص اور محتاج ہونا لازم آئے گا جو خدا کی ذات سے بعید ہے۔ صفات فعلیہ: ان صفات کو کہتے ہیں جو خداوند عالم کے بعض کاموں سے اخذ کی جاتی ہیں جیسے رازق و خالق اور جواد وغیرہ، جب اس نے موجودات کو خلق کیا تو خالق پکارا گیا، جب مخلوقات کو رزق عطا کیا تو رازق کہا گیا، جب بخشش و کرم کا عمل انجام دیا تو جواد ہوا، جب بندوں کے گناہوں اور عیبوں کو پوشیدہ اور معاف کیا تو غفور کہلایا، اس طرح کے صفات خدا اور بندوں کے درمیان ایک خاص قسم کے رابطہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں

### ایک حدیث

حسین بن خالد بیان کرتے ہیں: میں نے امام علی بن موسیٰ الرضاؑ کو فرماتے ہوئے سنا: آپ ارشاد فرما رہے تھے: خدا ہمیشہ سے قادر اور عالم و حی ہے، میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ! بعض لوگوں کا خیال ہے کہ علم خدا زائد بر ذات ہے، قادر ہے مگر زائد بر ذات ہے، زندہ ہے مگر زائد بر ذات ہے، قدیم ہے مگر قدیم زائد بر ذات ہے، ایسے ہی سمیع و بصیر دیکھنے اور سننے والا ہے، مگر دیکھنا اور سنا زائد بر ذات ہے؟ امام نے فرمایا: جس شخص نے خدا کے ان صفات کو زائد بر ذات جانا وہ مشرک ہے اور وہ ہمارا پیرو کار اور شیعہ نہیں ہے، خدا ہمیشہ سے عالم و قدیم حی قادر اور سمیع و بصیر ہے (اور رہے گا) لیکن اس کی ذات اور یہ صفات عین ذات میں<sup>۱</sup>۔

صفات سلبیہ: ہر وہ صفات جو یہ بیان کرے کہ اس کی ذات نقص و عیب سے پاک و مبرا ہے اسے صفات سلبیہ کہتے ہیں، خداوند عالم کی ذات کامل اور اس میں کوئی عیب و نقص نہیں پایا جاتا ہے، لہذا ہر وہ صفات جو نقص یا عیب خداوند عالم پر دلالت کرے ان صفات کو سلب اور جدا کرنا ضروری ہے۔ صفات سلبیہ یا جلالیہ یہ ہیں۔ خدا مرکب نہیں ہے: ہر وہ چیز جو دو جز یا اس سے زائد اجزا سے مل کر بنے اسے مرکب کہتے ہیں، اور خدا مرکب نہیں ہے اور نہ اس میں اجزا کا تصور پایا جاتا ہے، کیونکہ ہر مرکب اپنے اجزا کا محتاج ہے اور بغیر اس اجزا کے اس کا وجود میں آنا محال ہے، اگر اللہ کی ذات بھی مرکب ہو تو، مجبوراً اس کی ذات ان اجزا

<sup>۱</sup> بحار الانوار ج ۴، ص ۶۲۔

کی ضرورت مند ہوگی، اور ہر وہ ذات جو محتاج ناقص اور بہت سے اجزاء کا مجموعہ ہو، وہ واجب الوجود اور خدا نہیں ہو سکتی۔ دوسرے: ہر مرکب علت کا محتاج ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے اجزائے ترکیبیہ ملیں اور اس کو تشکیل دیں، پھر علت آکر اس کو وجود میں لائے اگر خدا ایسا ہے تو اس کو اپنے وجود میں علت اور اجزائے ترکیبیہ کا محتاج ہونا لازم آئے گا، لہذا جو ذات ناقص اور اپنے وجود میں علت کی محتاج ہو، وہ واجب الوجود خدا نہیں ہو سکتی۔

۲۔ خدا جسم نہیں رکھتا: اجزاء سے مرکب چیز کو جسم کہتے ہیں، اور اوپر بیان ہوا کہ خدا مرکب نہیں ہے، لہذا وہ جسم بھی نہیں رکھتا ہے۔ دوسرے: ہر جسم کے لئے ایک جگہ و مکان کا ہونا ضروری ہے، اور بغیر مکان کے جسم نہیں رہ سکتا، جب کہ خداوند عالم خود مکان کو پیدا کرنے والا ہے اس کا ضرورت مند و محتاج نہیں ہے اگر خدا جسم رکھے اور مکان کا محتاج ہو تو وہ خدا واجب الوجود نہیں ہو سکتا ہے۔

۳۔ خدا مرئی نہیں: خدا دکھائی نہیں دے سکتا ہے، یعنی اس کو آنکھ کے ذریعہ کوئی دیکھنا چاہے تو ممکن نہیں، اس لئے کہ دکھائی وہ چیز ہوتی ہے جو جسم رکھے اور خدا جسم نہیں رکھتا ہے لہذا اس کو نہیں دیکھا جاسکتا۔

۴۔ خدا جاہل نہیں ہے: جیسا کہ صفات ثبوتیہ میں بیان ہوا، خدا ہر چیز کا عالم ہے، اور اس کے علم کے لئے کسی طرح کی قید و شرط و حد بندی نہیں ہے، اور جہالت و نادانی عیب و نقص ہے اور خداوند عالم وجود مطلق عیب و نقص سے پاک ہے۔

۵۔ خدا عاجز و مجبور نہیں: پہلے بھی صفات ثبوتیہ میں گذر چکا ہے کہ خدا ہر کام کے کرنے پر قادر اور کسی بھی ممکن کام پر مجبور و عاجز نہیں ہے اور اس کی قدرت کے لئے کسی طرح کی کوئی مجبوری نہیں ہے اس لئے کہ عاجزی و مجبوری نقص ہے اور خدا کی ذات تمام نقائص سے مبرا و منزہ ہے۔

۶۔ خدا کیلئے محل حوادث نہیں: خداوند عالم کی ذات میں کسی طرح کی تبدیلی و تغیر ممکن نہیں ہے جیسے کمزوری، پیری، جوانی اس میں نہیں پائی جاتی ہے، اس کو بھوک پیاس، غفلت اور نیند نیز خشگی وغیرہ کا احساس نہیں ہوتا، اس لئے یہ تمام چیزیں جسم و مادہ کے لئے ضروری ہیں اور پہلے گذر چکا ہے کہ خدا جسم و جہانیات سے پاک ہے لہذا خدا کی ذات محل حوادث یعنی تغیر و تبدیلی کی حامل نہیں ہے۔

۷۔ خدا کا شریک نہیں: اس مطلب کی دلیلیں توحید کی بحث میں ذکر کی جائیں گی۔



۸۔ خدا مکان نہیں رکھتا: خداوند عالم کسی جگہ پر مستقر نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ ہی آسمان میں کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتا، اس لئے مکان کا محتاج نہیں ہے۔ خدا نے مکان کو پیدا کیا، اور خود ان مکانات سے افضل و برتر، نیز تمام موجودات پر احاطہ کئے ہوئے ہے، کوئی جگہ اس کے وجود کو نہیں گھیر سکتی وہ تمام جگہ اور ہر چیز پر تسلط رکھتا ہے، اس کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ اس کا اتنا بڑا جسم ہے، جو اس طرف سے لے کر اس طرف تک پورا گھیرے ہوئے ہے، بلکہ اس کا وجود، وجود مطلق ہے یعنی اس میں جسم و جہانیاں کا گزر نہیں ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی قید و شرط (یہاں رہے یا اس وقت وہاں رہے) پائی جاتی ہے لہذا کسی جگہ کا وہ پابند نہیں تمام موجودات پر احاطہ رکھتا ہے، کوئی چیز اس کے دست قدرت سے خارج نہیں ہے، لہذا اس کے لئے یہاں اور وہاں کہنا درست نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دعا کے وقت ہاتھوں کو کیوں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں؟ آسمان کی طرف ہاتھوں کے اٹھانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند عالم کی ذات والا صفات آسمان پر ہے، بلکہ ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرنے سے مراد درگاہ خدا میں فروتنی و انکساری و عاجزی و پریشانی کے ساتھ سوال کرنا ہے۔

مجد اور خانہ کعبہ کو خدا کا گھر کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ وہاں پر خدا کی عبادت ہوتی ہے، اور خدا نے اس مقام کو اور زمینوں سے بلند و برتر و مقدس بنایا ہے (جیسے خداوند عالم نے مومن کے دل (قلب) کو اپنا گھر کہا ہے اور کہتا ہے خدا ہر جگہ و ہر طرف موجود ہے، (فَلَمَّا تَوَلَّوْا فَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ)

۹۔ خدا محتاج نہیں: خداوند عالم کسی شے کا محتاج نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ذات ہر جہت سے کامل و تام ہے اس میں نقص اور کمی موجود نہیں ہے جو کسی چیز کا محتاج ہو اور اگر محتاج ہے تو پھر واجب الوجود خدا نہیں ہو سکتا ہے۔ پھر خداوند عالم نے ہمارے لئے روزہ و نماز جیسے فریضہ کو کیوں واجب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ خدا کی ذات ناقص ہے اور ان عبادتوں کے ذریعہ اپنی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے، بلکہ خدا کا مطمح نظریہ ہے کہ انسان عبادت کرے اور اپنے نفس کو نورانی اور کامل کر کے اس کی ہمیشہ آباد رہنے والی جنت کے لائق ہو جائے۔

<sup>۱</sup> لہذا تم جس جگہ بھی قبلہ کا رخ کر لو گے سمجھو وہیں خدا موجود ہے۔ سورہ بقرہ (۲) آیت ۱۱۵۔

خدا جو ہم سے چاہتا ہے کہ ہم خمس و زکوٰۃ و صدقہ دیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا غریب و فقیر، ضرورت مندوں کی مدد اور ان پر احسان کرنا چاہتا ہے، تاکہ لوگ نیکی و احسان میں آگے آگے رہیں، اس وجہ سے نہیں کہ ہماری معمولی اور مادی مدد سے وہ خود اپنی ضرورت کو پورا کرے کیونکہ خود یہ خمس و زکات اور صدقات ہمارے سماج کی اپنی ضرورت ہے اور لوگوں کے فائدے کے مد نظر بعض کو واجب قرار دیا اور بعض کو مستحب، لیکن ہر ایک کا مصرف انہیں ضرورت مند افراد کو قرار دیا ہے، قطع نظر ان چیزوں کے، اگر ہم غور و فکر کریں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا مجبوروں اور غریبوں پر احسان و مدد کرنا اور سماج کی ضروریات کو پورا کرنا (جیسے مسجد و امام بارگاہ و مدرسہ کی تعمیر کرنا) خود ایک بہترین عبادت اور نفس کو منزل کمال پر پہنچانے اور آخرت میں منزل مقصود تک پہنچنے کا بہترین راستہ ہے۔

۱۰۔ خدا ظالم نہیں: اس کی دلیل عدل کی بحث میں ذکر کی جائیگی۔

### توحید

اللہ تبارک و تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے، اس کے علاوہ کوئی خالق اور پیدا کرنے والا نہیں اور نہ ہی اس نے کسی کی مدد سے خلق کیا ہے اسی سلسلہ میں چند دلیلوں کو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلی دلیل: اگر دو خدا (یا اس سے زیادہ) ہوتے تو چند حالتیں ممکن ہیں۔ پہلی حالت یہ کہ دونوں نے (دنیا) موجودات کو مستقل علیحدہ علیحدہ خلق کیا ہے، دوسری حالت یہ کہ ایک دوسرے کی مدد سے دنیا کو خلق کیا ہے، تیسری حالت یہ کہ دونوں نے دنیا کو دو حصوں میں خلق کیا ہے لیکن ایک دوسرے کی خدائی میں دخالت کرتے ہیں۔ پہلی حالت: دونوں نے دنیا کو مستقل علیحدہ علیحدہ خلق کیا ہے (یعنی ہر چیز دو دفعہ خلق ہوئی ہے) اس کا باطل ہونا واضح ہے۔

الف: چونکہ ہر ایک شخص میں ایک وجود سے زیادہ وجود نہیں پایا جاتا ہے اس لئے ایک سے زیادہ خدا کا تصور نہیں ہے۔  
ب: ایک خدا نے کسی چیز کو پیدا کیا اور پھر دوسرا خدا اگر دوبارہ اس کو خلق کرے اس کو علماء کی اصطلاح میں تحصیل حاصل کہتے ہیں، (کہ ایک چیز موجود ہو پھر اس کو حاصل کیا جائے)۔

ج: یا حکماء اور فلاسفر کی اصطلاح میں ایک معلول (موجود) میں دو علت تامہ اثر گذاری کریں محال ہے یعنی ایک موجود کو خلق کرنے میں دو علت ایک وقت میں کار فرما ہو محال و باطل ہے۔ دوسری حالت: ان دونوں خدا نے ایک دوسرے کی مدد (شرکت) سے موجودات کو خلق کیا ہے، یعنی ہر موجود دو خدا کی مخلوق ہو اور دونوں آدھے آدھے برابر کے شریک ہوں یہ احتمال بھی باطل ہے۔ الف: دونوں خدا ایک دوسرے کے محتاج تھے یعنی تنہا موجودات کو خلق کرنے سے عاجز و مجبور تھے تو یہ بحث پہلے گذر چکی ہے کہ خدا عاجز و محتاج نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی کہے دونوں خلق پر قادر ہیں لیکن پھر بھی دونوں شریک ہو کر موجودات کو وجود میں لاتے ہیں یہ بھی باطل ہے کیونکہ دو فاعل کسی کام پر قادر ہوتے ہوئے پھر بھی تنہا کسی کام کو انجام نہ دیں اس میں چند صورتیں ممکن ہیں: الف: یا دونوں بخل کر رہے ہیں جو کہ نصف نصف پر کام کرتے ہیں یعنی چاہتے ہیں کہ زیادہ خرچ نہ ہو۔ ب: یا دونوں آپس میں ڈرتے ہیں اور اس ڈر کی بنا پر کم خرچ کر رہے ہیں۔ ج: یا دونوں مجبوراً آپس میں شریک ہیں۔

جواب یہ ہے: الف: خداوند عالم محتاج و نیاز مند نہیں ہے۔

ب: دونوں دنیا کے خلق کرنے کی مصلحت اور اس کا علم رکھتے ہیں اور اس کی پیدائش پر قدرت بھی رکھتے ہیں اور ان کی قدرت و علم عین ذات بھی ہے، اور اسی کے ساتھ بخل و کنجوسی بھی پائی جاتی ہے جو خدا کی ذات کے لئے اور مناسب نہیں ہے۔ ج: کوئی کام ایک دوسرے کے تحت خوف سے کرتے ہیں تو یہ، شان خدا کے برخلاف ہے کیونکہ جو خدا ہوتا ہے وہ متاثر و عاجز نہیں ہو سکتا ہے۔

د: دونوں عالم و قادر اور بخیل و عاجز نہیں ہیں تو چاہے موجود میں فقط ایک علت ہو اپنی مرضی کے مطابق کوئی ایک دنیا اور بنائیں ان باتوں سے سمجھ میں آتا ہے دونوں کو چاہیے اپنی قدرت و علم کے تحت دو دنیا بنائیں اور اس سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک معلول میں دو علت کا اثر انداز ہونا باطل و محال ہے۔

تیسری حالت: دونوں (مفروض) خدا دنیا کو نصف نصف تقسیم کر کے اپنے اپنے حصہ میں مستقلاً موجودات کو خلق کرے (اور مثل بادشاہوں کے اپنے حصہ میں حاکم بنے رہیں، ایسا فرض ہی باطل ہے اس لئے کہ دو خدا نہیں ہو سکتے اور نہ دنیا کے دو حصے ہو سکتے ہیں) اور ایک دوسرے کے حصے میں دخالت کرے یہ احتمال بھی باطل ہے، اس لئے کہ ہر وہ فرضی خدا آپس میں مستقلاً

ایک دوسرے کے حصہ میں دخالت (خلق) کی صلاحیت رکھتے ہیں تو چاہیے کہ جدا اور اسے الگ خلق کرے ورنہ اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ دو علت ایک معلول میں موثر ہوگی، جب کہ اس کا بطلان پہلے گزر گیا ہے یا اگر صلاحیت و استعداد نہیں رکھتا یا خلق پر قادر نہیں ہے یا کبجوسی کر رہا ہے تو وہ ناقص ہے اور ناقص، خدائی کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

دوسری دلیل: اگر خدا کسی موجود کو پیدا کرے اور دوسرا اس موجود کو تباہ کرنے کا ارادہ کرے تو کیا پہلا خدا اپنی خلق کی ہوئی چیز کا دفاع کر سکتا ہے؟ اور دوسرے کے شر سے اس کو محفوظ رکھ سکتا ہے؟ اگر پہلا اپنی موجودہ چیز کی حفاظت نہیں کر سکتا تو عاجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ دفاع کر سکتا ہے تو دوسرا خدا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عاجز ہے اور عاجز خدا نہیں ہو سکتا ہے۔

### نتیجہ

ہم خدا کو ایک اور لاشریک موجودات کو خلق کرنے والا جانتے ہیں اور اس کے علاوہ جو بھی ہو اس کو ناتوان، مجبور و عاجز اور مخلوق شمار کرتے ہیں، ہم فقط اللہ تبارک و تعالیٰ کو لائق عبادت جانتے ہیں کسی دوسرے کے لئے سجدہ نہیں کرتے اور نہ ہی کسی اور کے لئے جھکتے ہیں ہم آزاد ہیں اپنی آزادی کو کسی کے حوالے نہیں کرتے اور کسی کی بے حد و اتہا تعریف نہیں کرتے اور چاپلوسی کو عیب جانتے ہیں۔

ہم انبیاء اور ائمہ کا احترام اور ان کے بیان کئے گئے احکام کی پیروی اس لئے کرتے ہیں کہ خدا نے ان کو واجب الاحترام اور واجب الاطاعت قرار دیا ہے، یعنی ان کے احترام و اتباع کو واجب قرار دیا ہے، ان کے احکام و قوانین ہمیشہ خدا کے احکام کی روشنی میں رہے ہیں اور ان لوگوں نے کبھی بھی زیادتی اور اپنے حدود سے تجاوز نہیں کیا ہے، ہم انبیاء و ائمہ کے مرقد پر جاتے ہیں اور ان کے مزار و روضہ کا احترام کرتے ہیں، لیکن یہ پرستش اور ان کی بندگی کے عنوان سے نہیں بلکہ خدا کی بارگاہ میں بلند مقام اور پاکیزگی و بزرگی کا خیال رکھ کر ان کی تکریم کرتے ہیں اور ان کے روضہ کی تعمیر اور ان کی فداکاری و جاثاری و قربانیوں کی قدر دانی کرتے ہیں، اور دنیا کو بتانا چاہتے ہیں کہ جو شخص بھی اللہ کے راستے میں زحمت و مشقت کو برداشت کرے اور اس کے احکام و پیغام و ارشاد کو لوگوں تک پہنچائے، تو نہ اس دنیا میں بھلایا جائے گا اور نہ آخرت میں، ہم ان مقدس اللہ کے بندوں پاک سیرت

نمائندوں اور اس کے خاص چاہنے والوں کے حرم میں خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش اور اپنی حاجت کی قبولیت اور راز و نیاز کرتے ہیں، اور اپنی دعا و مناجات میں ان مقدس بزرگوں کی ارواح طیباہ کو خدا کے حضور میں واسطہ و وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

## عدل

خداوند عالم عادل ہے یعنی کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس سے کوئی برا کام صادر نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے تمام کام میں حکمت اور مصلحت پائی جاتی ہے اچھے کام کرنے والوں کو بہترین جزا دے گا کسی چیز میں جھوٹ اور وعدہ خلافی نہیں کرتا ہے، کسی کو بے گناہ اور بے قصور جہنم میں نہیں ڈالے گا، اس مطلب پر دو دلیل پیش خدمت ہے۔

پہلی دلیل: جو شخص ظلم کرتا ہے یا برے کام کو انجام دیتا ہے اس کی صرف تین صورتیں پائی جاتی ہیں ۱۔ یا وہ اس کام کی اچھائی اور برائی سے واقف نہیں ہے اس وجہ سے ظلم و زیادتی انجام دیتا ہے۔

۲۔ یا وہ اس کام کی اچھائی اور برائی سے واقف و آگاہ ہے لیکن جو چیزیں دوسروں کے ہاتھوں میں دیکھتا ہے چونکہ اس کے پاس وہ شی نہیں ہوتی اس لئے اس کو لینے کے لئے ان پر ظلم کرتا ہے تاکہ ان کے اموال کو لے کر فائدہ اٹھائے اپنے عیب و نقص (کمی) کو پورا کرے اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کام کرنے والوں (کارگروں) پر ستم کرتا ہے اور ان کے حقوق کو ضائع و برباد کرتا ہے اور خود قوی ہے اس لئے کمزوروں اور مجوروں پر ظلم کرتا ہے، اور ان کے اموال و اسباب سے چاہتا ہے کہ اپنی کمی کو برطرف اور اپنے نقص کو پورا کرے

۳۔ یا ظلم و زیادتی سے آگاہی رکھتا ہے اس کو ان کی ضرورت بھی نہیں ہے، بلکہ انتقام اور بدلہ یا لہو و لعب کے لئے ایسا کام انجام دیتا ہے۔ عموماً ہر ظلم و ستم کرنے والے انہیں اسباب کی وجہ سے ان کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں، لیکن خداوند عالم کی ذات اس سے منزہ اور پاکیزہ ہے، وہ ظلم و ستم نہیں کرتا اس لئے کہ جہالت و نادانی اس کے لئے قابل تصور نہیں ہے، اور وہ تمام چیزوں کی اچھائی اور برائی کی مصلحتوں سے خوب واقف ہے وہ ہر چیز سے مطلقاً بے نیاز ہے، اس کو کسی کام اور کسی چیز کی

ضرورت و حاجت نہیں ہے، اس سے لغو و بیہودہ کام بھی صادر نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ حکیم ہے در نتیجہ اس کے پاس صرف عدالت ہی عدالت موجود ہے ظلم و ستم کا ٹائبہ بھی نہیں پایا جاتا ہے۔

دوسری دلیل: ہماری عقل، ظلم و ستم کو ناپسند اور برا کہتی ہے اور تمام عقلمندوں کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ خداوند عالم نے اپنے نبیجے ہوئے انبیاء کو بھی لوگوں پر ظلم و ستم نیز برے کاموں کے انجام دینے سے منع فرمایا ہے، اس بنا پر کیسے ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو تمام عقلمند افراد برا اور ناپسند کریں اور خدا اپنے نبیجے ہوئے خاص بندوں کو ان کاموں سے منع کرے اور خود ان غلط کاموں کو انجام دے؟! البتہ سماج اور معاشرے میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ تمام لوگ ہر جہت سے برابر نہیں ہیں، بلکہ بعض ان میں فقیر اور بعض غنی، بد صورت و خوبصورت، خوش فہم و نافہم، سلامت و بیمار وغیرہ ان کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔

بعض اشخاص پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہیں یہ تمام کی تمام چیزیں بعض اسباب اور علتوں کی بنا پر انسان کے اوپر عارض ہوتی ہیں جس سے فرار اور چھٹکارا ممکن ہے، کبھی یہ اسباب طبعی علتوں کی بنیاد پر اور کبھی خود انسان ان میں دخالت رکھتا ہے لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود خدا کے فیض کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ہر شخص اپنی استعداد و استطاعت کے مطابق اس سے فیض حاصل کرتا ہے خداوند عالم کسی بھی شخص کو اس کی قدرت و طاقت سے زیادہ تکلیف و ذمہ داری نہیں دیتا، انسان کی کوشش اور محنت کبھی رانجھاں نہیں ہوتی، ہر فرد بشر کی ترقی کے لئے تمام حالات و شرائط میں راستے کھلے ہوئے ہیں۔

## دوسری فصل

### نبوت

#### نبوت

خداوند عالم کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لئے احکام کے ساتھ انبیاءِ علیم السلام کو مبعوث کرے اس مطلب پر تین دلائل پیش کر رہے ہیں۔ پہلی دلیل: اس لئے کہ انسان کی پیدائش کا ہدف یہ نہیں ہے کہ ایک مدت تک اس دنیا میں رہے، اور اللہ کی نعمتوں کو استعمال کرے اور ہر طرح کی عیش و عشرت یا دنیاوی ہزاروں دکھ درد اور پریشانیوں کے داغ کو اپنے سینہ پر برداشت کر کے رخت سفر باندھ کر فنا کے گھاٹ اتر جائے، اگر ایسا ہے تو انسان کی خلقت عبث و بے فائدہ ہوگی! جب کہ خدائے تبارک و تعالیٰ کی ذات ایسے کاموں سے پاک اور مبرا ہے۔ انسان، خداوند عالم کی بہترین و افضل ترین مخلوق ہے اور اس کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعہ کمالات و فضائل کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے تاکہ قیامت کے دن بہترین ثواب و جزا کا مستحق قرار پائے۔

لہذا پروردگار عالم کی ذات نے انسان کو نظم و قانون کا محتاج پایا تو ان کے لئے انبیاء کے دستور العمل بھی بھیجا تاکہ انسان کو تعلیم دیں اور انسان کو ضلالت و گمراہی کی تاریکی سے نکالیں، یہ وہی احکام ہیں جو ساتھ قوانین اور انسان کی زندگی اور آخرت دونوں کو مدھارتے ہیں، لوگوں کو زیادتی اور زور و زبردستی سے روکتے ہیں اور انسان کی آزادی کے حقوق کے محافظ ہیں نیز انسان کو کمال و صراطِ مستقیم اور اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ کیا انسان کی ناقص عقل ایسا جامع دستور العمل اور منظم پروگرام لوگوں کے حوالے کر سکتی ہے؟ ہرگز ممکن نہیں، اس لئے کہ انسان کی عقل اور اس کی معلومات ناقص و محدود ہے، لوگوں کی عقل اچھے، برے جلوت و خلوت انفرادیت و اجتماعیت کے حالات پر کافی اور کامل معلومات نہیں رکھتی ہے۔

اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انسان نے ابتدائے خلقت سے لیکر آج تک ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور بے حد دولتوں کا سیلاب بہا دیا کہ محکم و کامل اور جامع انسانیت کے لئے قانون بنائے لیکن ابھی تک نہ بنا سکا، قانون تو بے شمار بنتے رہتے ہیں، لیکن کچھ ہی دنوں میں

<sup>۱</sup> سورہ مؤمنون (۲۳) آیت ۱۱۵ (أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ آلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ) کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہمارے حضور میں لوٹا کر نہیں لائے جاؤ گے۔

اس کی خامیاں اور غلطیاں کھل کر سامنے آجاتی ہیں لہذا یا تو لوگ اس کو پورے طور پر ختم کر دیتے ہیں یا اس میں تبدیلی اور نظر ثانی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ دوسری دلیل: خود انسان کی طبیعت میں خود خواہی اور خود غرضی کے میلان پائے جاتے ہیں لہذا وہ ہر طرح کے فوائد کو اپنے اور اپنے اقارب کے لئے سب سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے لہذا نچتایہ عادت و فطرت مساوات کا قانون بنانے سے مانع ہوتی ہے۔ جب بھی انسان ارادہ کرتا ہے کہ کوئی ایسا قانون بنائے جس میں ہوائے نفس اور خود خواہی نیز خود پسندی کا کوئی دخل نہ ہو، اپنے اور پرانے ایک صف میں کھڑے ہوں اور ہر ایک کو ایک نگاہ سے دیکھا جا رہا ہو لیکن کہیں نہ کہیں طبیعت اور خواہش نفسانی تو غلبہ کر ہی لیتی ہے لہذا عدل و انصاف پر مبنی قانون کا سد باب ہو جاتا ہے۔

تیسری دلیل: قانون بنانے والے حضرات انسان کے فضائل اور روحانی کمالات کا علم نہیں رکھتے اور اس کی معنوی زندگی سے بے خبر ہیں وہ انسان کی فلاح اور بہبود، مادیات کے زرق و برق اور دنیا کی رنگینوں میں تلاش کرتے ہیں جب کہ انسان کی روحانی اور دنیاوی زندگی کے درمیان ایک خاص اور محکم رابطہ پایا جاتا ہے فقط خداوند عالم کی ذات والا صفات ہے جو اس دنیا و مافیہا کا پیدا کرنے والا ہے اور انسان کی اچھائی و برائی سے خوب واقف اور باخبر ہے، نیز تمام موجودات پر احاطہ کئے ہوئے ہے کوئی بھی چیز اس کے دست قدرت سے باہر نہیں، وہی ہے جو بلندی کی راہ اور ہلاکت کے اجتناب سے بخوبی واقف ہے لہذا اپنے قانون و احکام بلکہ انسانیت کی باگ ڈور ایسے حضرات کے حوالے کرتا ہے جو لوگوں کے لئے نمونہ اور اس کی زندگی آنے والوں کے لئے مثل راہ ہوتی ہے۔

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں خداوند عالم حکیم ہے کبھی بھی انسان کو حیرانی اور جہالت و گمراہی کے اتھاہ سمندر میں نہیں چھوڑ سکتا بلکہ اس کی مصلحت و لطف کا تقاضا یہ ہے کہ انبیاء کو قواعد و قانون کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کرے۔ انبیاء اللہ کے خاص بندے اور بساط بشر کی ممتاز فرد ہوتے ہیں جو خدا سے جس وقت چاہیں رابطہ پیدا کر سکتے ہیں اور جس چیز کی حقیقت معلوم کرنا چاہیں اسے معلوم کر کے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں اس طرح کے رابطے کو ”وحی“ کہتے ہیں وحی یعنی اللہ اور اس کے خاص بندے کے درمیان رابطے کو کہتے ہیں، انبیاء اپنی باطنی بصیرت سے دنیا کی حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دل کے کانوں سے فیہی باتیں سنتے اور لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔



## نبی کے شرائط

۱۔ عصمت: نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے یعنی نبی کے پاس ایسی قدرت و طاقت موجود ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے گناہ کے ارتکاب اور ہر طرح کی خطا و غلطی اور نیان سے محفوظ رہ سکیں تاکہ خداوند عالم کے احکام جو انسان کی ہدایت کے لئے بنائے گئے ہیں بغیر کسی کمی اور زیادتی کے لوگوں تک پہنچا سکیں۔ اگر نبی خود گناہ کا مرتکب ہو جائے اور اپنے قول کے برخلاف عمل کرنے لگے تو اس کی بات اپنے اعتبار و اعتماد سے گر جائے گی یعنی وہ اپنے اس فعل سے اپنی ہی باتوں کا قلع قمع اور اپنے عمل کے ذریعہ لوگوں کو برائی اور خدا کی نافرمانی کی طرف راہنمائی کرنے لگے گا، جب کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ علی تبلیغ زبان سے زیادہ مؤثر ہے اگر نبی غلطی و نیان کا پلندا ہو جائے تو لوگوں کے دلوں سے محبوبیت اور اس کا بھروسہ ختم ہو جائے گا اور اس کی باتوں کی معاشرے کے سامنے کوئی اہمیت و عزت نہ ہوگی۔

۲۔ علم: نبی کے لئے ضروری ہے کہ ہر وہ قوانین جو انسان کی سعادت اور نیک بختی کے لئے لازم و ضروری ہیں اس سے خوب واقف ہو، اور ہر وہ مطالب و موضوع جو راہنمائی و تبلیغ کے لئے کارساز ہیں اس کا کما حقہ علم رکھتا ہو تاکہ انسان کی فلاح اور بلندی کے حصول کے لئے خاص پروگرام لوگوں کے اختیار میں دے سکے اور راہ مستقیم (سیدھا راستہ) جو فقط ایک راستہ ہے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں، اس راہ کے عظیم اجزا کو باہم اور دقیق ملا کر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔

۳۔ معجزہ: خارق عادت کام کو کہتے ہیں یعنی نبی کا اپنے دعویٰ نبوت کے اثبات میں ایسے کام کا انجام دینا جس سے تمام لوگ عاجز ہوں چونکہ نبی عادت کے خلاف کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے اور نظروں سے اوجھل دنیا اور اللہ کی ذات سے رابطہ رکھتا ہے اور معارف و علوم کو اسی سے حاصل کرتا ہے اور تمام احکام کو اسی کی طرف نسبت دیتا ہے تو ضروری ہے کہ نبی ایسے کام کو اپنے مدعی کے لئے انجام دے جس سے اس زمانے کے تمام افراد عاجز و حیران ہوں اور دعویٰ چونکہ غیبی ہے لہذا معجزہ بھی عادت کے برخلاف ہونا چاہیے تاکہ اس امر غیبی کو ثابت کر سکے ایسے کام کو معجزہ کہتے ہیں۔

## خلاصہ

چونکہ نبی خدا سے رابطے کا دعویٰ کرتا ہے تو ضروری ہے کہ خدا کے ہم مثل کام کو انجام دے تاکہ لوگ اس کی بات پر یقین

کریں مٹھی نہ رہے کہ انبیاء کے تمام پروگرام اسباب و علل کے دائرے ہی میں انجام پاتے ہیں، مگر بعض مقامات پر جہاں وہ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، معجزہ سے کام لیتے ہیں۔

### نبی کو پہچاننے کا طریقہ

یہ مسلم ہے کہ نبی ایک عظیم مقام و رتبے پر فائز ہوتا ہے جب چاہے خدا سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے اور وحی کے ذریعہ حقائق کو حاصل کر سکتا ہے پیغمبر اور نبی میں مافوق العادت عصمت جیسی طاقت بھی موجود ہوتی ہے، (کہ جسکی وجہ سے گناہ اور نیان وغیرہ سے محفوظ رہتے ہیں) اور یہ بھی معلوم ہے کہ ایسا مقام اور راز پنهانی ہر کسی کے بس کا نہیں ہے لہذا انسان ان دو راستوں کے ذریعہ نبی کی حقانیت و صداقت کو بخوبی معلوم کر سکتا ہے اور تشخیص دے سکتا ہے۔ پہلا راستہ: ایک نبی دوسرے (آنے والے) نبی کی خبر دے یا اس کی تصدیق کرے یا اس کے علائم اور قرائن کو بیان کرے۔

دوسرا راستہ: وہ اپنے دعوے کی صداقت اور حق گوئی کے لئے معجزہ پیش کرے، یعنی ایسے کام کو انجام دے کہ انسان اس جیسے کام انجام دینے سے عاجز ہو جب انسان دیکھے کہ کوئی پیغمبر کی دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے تمہاری ہدایت کے لئے مامور کیا گیا ہوں اور اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے ایسے کام کو انجام دے رہا ہو جو انسان کے اختیار سے باہر ہے، پس یقین ہو جائیگا کہ یہ شخص سچا ہے اس لئے کہ اگر یہ جھوٹا ہوتا تو خدا اس کی معجزہ کے ذریعہ تائید نہ کرتا چونکہ جھوٹے کی تائید کرنا لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے ایک امر قبیح ہے اور خدا کوئی قبیح امر انجام نہیں دیتا ہے مقام عصمت و نبوت کو پہچاننے کے لئے ان دو عمومی قاعدے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں پایا جاتا ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ عقلمندوں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے دوسرا راستہ بھی کھلا ہوا ہے کہ لوگ قانون شریعت اور احکام اسلام کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں، اور قانون اسلام کو دنیا کے اور دوسرے قوانین سے تقابل کریں اور اس کے امتیازات اور مصلحتوں کو خوب درک کریں، اس وقت نبی کی سیرت اور طور طریقہ نیز رفتار و گفتار کو اس کے آئینے میں تلاش کریں اور اس طریقے سے ان کے دعوے کی سچائی کی تائید اور تصدیق کر کے اپنے ایمان کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ لیکن اس راہ سے آنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے یا یہ کہ خدا کا لطف خاص شامل حال ہو اور انسان ایمان کی قوت سے مالا مال ہو، قرآن مجید نے انبیاء کے لئے معجزات کو

بیان کیا ہے جو شخص قرآن کے آسمانی اور خدا کی کتاب ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے اس کو لامحالہ انبیاء کے معجزات پر بھی اعتقاد رکھنا پڑے گا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اڑدہا ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے کو زندہ کرنا وغیرہ کسی کے لئے قابل انکار نہیں ہے، جناب عیسیٰ علیہ السلام کا گھوارے میں باتیں کرنا قرآن کی نص ہے۔

### انبیاء کی تعداد

حدیثوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں جس میں سب سے پہلے حضرت آدمؑ اور آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ ابن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انبیاء کے اقام: بعض انبیاء اپنے فرائض کو وحی کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں لیکن تبلیغ پر مامور نہیں ہوتے۔ بعض تبلیغ پر بھی مامور تھے۔ بعض صاحب دین اور شریعت تھے۔ بعض انبیاء مخصوص شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ دوسرے نبی کی شریعت کی تبلیغ و ترویج کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ متعدد انبیاء مختلف شہروں میں تبلیغ و ہدایت کے لئے مامور کئے گئے ہیں۔

اولو العزم انبیاء: حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یہ صاحب شریعت تھے اور تمام انبیاء میں سب سے افضل ہیں، ان کو اولو العزم پیغمبرؑ بھی کہا جاتا ہے۔ بعض انبیاء صاحب کتاب تھے: حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت محمد ﷺ، اور باقی انبیاء صاحب کتاب نہیں تھے بعض انبیاء تمام لوگوں کیلئے مبعوث کئے گئے تھے اور بعض مخصوص جمعیت و گروہ کیلئے مبعوث کئے گئے تھے ۲۔

### حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں

اولو العزم انبیاء میں سے ہمارے نبی حضرت محمد ابن عبد اللہ ہیں آپ کی امت مسلمان کہلاتی ہے۔ آنحضرتؐ اس وقت مبعوث برسات ہوئے جب گذشتہ انبیاء کی کوششیں اور ان کی قربانیاں اور طولانی زحمت اپنا ثمرہ دکھا رہی تھیں، لوگوں کی دینی سوجھ بوجھ اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ چاہتے تو بہترین اور کامل ترین قوانین کو اخذ کرتے اور بلند ترین معارف کو سمجھتے نیز گذشتہ انبیاء کے علمی آثار

۱ بحار الانوار، ج ۱۱، ص ۳۰۔

۲ بحار الانوار، ج ۱ ص ۶۱۔

کو ہمیشہ باقی رکھ سکتے تھے اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ (ص) مبعوث ہوئے، اور لوگوں کے اختیار میں ایک جامع اور مکمل دستور العمل قرار دیا۔ اگر اسلامی قوانین اور اس کے احکام پر پابندی سے عمل کیا جائے تو انسان کی دنیوی و اخروی سعادت کو اسکے ذریعہ سے تائین کیا جاسکتا ہے اور اسی طریقے سے اس زمانہ اور آنے والی نسلوں کی خیر و صلاح کے لئے کافی ہیں۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ قواعد و قوانین اور معارف اسلامی میں تلاش و جستجو کرے اور اسلام کے قوانین کا دنیا کے اور قوانین سے مقابل کرے تو اسلام کے قوانین کی برتری اس کے اوپر روز روشن کی طرح واضح و ظاہر ہو جائے گی یہی علت ہے کہ آنحضرتؐ آخری پیغمبر اور خاتم الانبیاء میں اور ان کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا قرآن مجید نے آپ کو خاتم النبیین سے تعبیر کیا ہے حضرت محمد کے آخری نبی ہونے کا اعتقاد رکھا، دین کی ضروریات میں سے ہے اور اس سے انکار کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔

### ہمیشہ رہنے والا معجزہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ صاحب معجزہ تھے اور اپنی زندگی کے مختلف ایام میں لوگوں کو معجزہ سے روشناس کرایا ہے اور کثرت سے حدیث اور تاریخی کتابوں میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، ان سب کے علاوہ قرآن مجید ہمیشہ رہنے والا معجزہ اور آپ کی نبوت پر قطعی ثبوت ہے قرآن کریم خود اپنے کو معجزہ سے تعبیر کرتا ہے اور خدا لوگوں سے کہتا ہے جو ہم نے قرآن مجید اپنے بندے (محمد مصطفیٰ) پر نازل کیا ہے اس پر شک کرتے ہو تو اس کے مثل ایک سورہ ہی لے آؤ<sup>۱</sup>۔ اور قرآن کہتا ہے اگر تمام جن و انس قرآن کا مثل لانے پر اتفاق کر لیں تب بھی نہیں لا سکتے<sup>۲</sup>۔

اسلام کے دشمن اسلام سے ہر طریقے سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئے کسی راہ کو باقی نہیں چھوڑا، اور خطرناک سے خطرناک جنگوں سے سامنا کرنے سے منہ نہ موڑا اور جانی و مالی بے انتہا نقصان برداشت کئے لیکن قرآن سے جنگ کرنے کے لئے اصلاً آمادہ نہ ہوئے ہاں اگر ان کے بس کا ہوتا تو قرآن کے سورہ کی طرح کسی ایک سورہ کا جواب لا کر رکھ دیتے! اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو اتنی بڑی بڑی جنگوں کے مقابل سورہ لانے کو زیادہ ترجیح دیتے اور ہزار ہا زحمت و پریشانی سے سبکدوش ہو جاتے مثل سورہ قرآن کوئی

<sup>۱</sup> احزاب (۳۳) آیت ۴۰۔

<sup>۲</sup> بقرہ (۲) آیت ۲۳۔

<sup>۳</sup> اسراء (۱۷) آیت ۸۸۔

سورہ پیش کرنے پر اصلاً قدرت ہی نہیں رکھتے تھے۔ قرآن مجید آنحضرت کی تیئیس سال کی زندگی میں رفتہ رفتہ نازل ہوا ہے آں حضرت کے اصحاب کرام ان آیات کو حفظ کرتے تھے اس کے بعد جمع آوری ہوئی اور کتاب کی صورت میں لوگوں کے سامنے آگیا، قرآن مجید پہلی آسمانی کتاب ہے جس میں کسی طرح کی کوئی تغیر و تحریف نہیں پائی جاتی ہے، اور بغیر کسی کمی اور زیادتی کے لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ قرآن کتاب عمل ہے: اگر مسلمان دارین کی سر بلندی چاہتے ہیں اور انکی چھنی ہوئی شان و شوکت، جاہ و خشم واپس آجائے تو چاہیے کہ قرآن کے بیان کردہ محکم قوانین اور دستور کی پیروی و اتباع کریں اور اپنے تمام کاموں نیز تمام لاعلاج امراض میں قرآن سے تمک و توسل کر کے ان اجتماعی و انفرادی مشکلوں کو حل کریں۔

### حضرت رسول خدا ﷺ کے حالات زندگی

آپ کے والد عبد اللہ اور ماں کا نام آمنہ تھا سترہ ربیع الاول سن ایک عام الفیل کو مکہ معظمہ میں آپ کی ولادت با سعادت ہوئی، ستائیس رجب المرجب کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث برسالت ہوئے، تیرہ سال مکہ میں رہکر لوگوں کو پوشیدہ اور ظاہری طور پر اسلام کی دعوت دیتے رہے اسی مدت میں ایک گروہ مسلمان ہوا اور آپ پر ایمان لے آیا۔ لیکن کفار اور بت پرست افراد ہر طرف سے اسلام کی تبلیغ کے لئے موانع اور رکاوٹیں کھڑی کر رہے تھے اور آں حضرت کو اذیت مسلمانوں پر سختی و عذاب سے کوئی لمحہ فرو گذاشت نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت کی جان ایک دن خطرے میں آگئی لہذا مجبور ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور آہستہ آہستہ مسلمان بھی آپ سے آئے اور مدینہ شہر سب سے پہلے اسلامی حکومت کا پائے تخت اور فوجی اڈا بن گیا۔ آں حضرت اس مقدس شہر میں دس سال تک احکام کی تبلیغ لوگوں کی راہنمائی اور اجتماعی امور کے سنبھالنے میں مشغول رہے اور اسلامی لشکر ہر وقت حریم اسلام کے دفاع کے لئے آمادہ رہتا۔

ہمارے نبیؐ ترستھ سال اس دار فانی میں رہ کر اٹھائیس صفر ہجرت کے گیارہویں سال دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے اور اسی شہر مقدس (یثرب) مدینہ میں مدفون ہوئے۔ آں حضرت بچنے سے ہی با ادب بچے اور امانتدار تھے اسی وجہ سے لوگ آپ کو محمد امین کہتے تھے، اخلاقی لحاظ سے نیک اپنے زمانہ کے لئے نمونہ تھے کبھی آپ سے جھوٹ اور خیانت دیکھی نہیں گئی کسی پر ظلم و ستم

<sup>۱</sup> مزید تحقیق کے لئے تفسیر و کلام اور تاریخ و حدیث کی کتابوں کی طرف رجوع کریں اس لئے کہ اس کتاب میں اختصار مد نظر ہے۔

نہیں کرتے اور برے کاموں سے دوری، لوگوں کا احترام، خوش اخلاق و متواضع و بردبار تھے مجبور و بے سہاروں کے ساتھ احسان و مہربانی سے پیش آتے آپ جو کہتے اس پر عمل کرتے تھے اسی پسندیدہ اخلاق کا نتیجہ تھا کہ لوگ ہر طرف سے اسلام کے گرویدہ ہونے لگے اور آزادی و اختیار کے ساتھ اسلام قبول کرتے تھے، امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: ایک فقیر نے آنحضرتؐ کے قریب آکر آپ سے سوال کیا حضرت نے ایک انصاری سے کھجور قرض لے کر سائل کو عطا کیا کافی دن گذر گئے مگر آپ اس کا قرض نہ چکا سکے پھر ایک دن طلبگار آیا اور اس نے اپنی کھجور کا مطالبہ کیا حضرت نے فرمایا: ابھی میرے پاس نہیں ہے جب ہو جائے گا تو میں انشاء اللہ دے دوں گا، دوسری دفعہ آیا اور پھر وہی جواب سنا، تیسری مرتبہ جب اس نے اس جواب کو سنا تو کہنے لگا: یا رسول اللہ! کب تک یہ کہتے رہیں گے انشاء اللہ دوں گا؟ پھر وہ آں حضرت کی شان میں گستاخی کرنے لگا حضرت اس کے نازیبا کلمات سن کر مسکرائے لگے اور اصحاب سے فرمایا: کیا تم میں کوئی ہے جو مجھے کھجور قرض کے طور پر دے؟ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میں آپ کو دوں گا فرمایا: اس مقدار میں (خرما) کھجور اس شخص کو دے دو، طلبگار نے کہا میں تو اس کے نصف کا طلبگار ہوں حضرت نے فرمایا اس نصف کو میں نے تجھے بخش دیا۔

### اسلامی احکام

دین اسلام کے قوانین فقط فردی عبادت اور ظائف پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ نظام اجتماعی کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے انسان کی زندگی کے ہر ایک لمحات کے لئے دین اسلام، احکام اور دستور العمل رکھتا ہے جیسے اجتماعی سیاسی اور حقوقی زندگی کے مسائل، پیغمبر اکرم ﷺ اور حضرت علیؑ انہیں قوانین کو اجرا کرنے کے لئے مسلمانوں پر حکومت کی انہیں پروگرام کے نافذ ہونے کی وجہ سے صدر اسلام کے مسلمانوں نے حیرت انگیز ترقیاں حاصل کیں اور محکم طاقتور حکومت کا قیام وجود میں آیا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام کے احکام (دنیا کے) تمام قوانین سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اگر بطور کامل اس کو اجرا اور اجتماعات میں اس سے استفادہ کیا جائے تو انسان سعادت و خوشبختی کے مراتب پر فائز ہو سکتا ہے، ظلم و زیادتی اپنی بنیاد سے ختم ہو جائے گی جنگ و جدال کی جگہ صلح و صفائی لے لے گی، اور فقر و بیکاری کا بوریہ بستر بندھ جائے گا۔

ہمارا عقیدہ ہے، اسلام کے قوانین ناقص نہیں ہیں اور نہ ہی کسی کے کامل اور اصلاح کرنے کے محتاج ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ انسان کے واقعی مسائل و مصالح سے بخوبی واقف تھے اس لئے بہترین قوانین کو انسان کے اختیار میں دئے ہیں۔ ہم عقیدہ رکھتے ہیں، جو بھی قانون قرآن مجید کے مخالف ہو وہ لوگوں کی مصلحت و مفاد کے لئے نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی حقیقت ہے، ہم یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں، ہماری سعادت مندی کا صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ ہم اپنی زندگی کے تمام حالات میں دین اسلام کے احکام کی پابندی کریں۔ ہمیں اطلاع ہے اسلامی فرقوں کی زبوں حالی اسلام کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ تمام بد بختی کا سرچشمہ قوانین اور احکام اسلامی سے سرپیچی اور روگردانی کا نتیجہ ہے، جب ہم نے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال کر اپنے اجتماعی درد کا مداوا دوسروں سے مانگنے لگے یعنی ہم نے اسلام کے فقط نام پر اکتفا کیا جس کے نتیجہ میں بد بختی کے یہ سیاہ بادل ہمارے اوپر مٹلانے لگے ہم اعتقاد رکھتے ہیں، اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ اپنی عزت و بزرگی، شان و شوکت مثل سابق واپس آجائے اور دنیا کے ترقی پزیر ملکوں کی فہرست میں ہمارا بھی شمار ہونے لگے تو ہمیں چاہیے کہ ہم حقیقی اور صحیح معنی میں مسلمان بن جائیں، اور تمام اسلامی قوانین کو اپنے اوپر نافذ کریں اپنے اجتماعی پروگراموں میں احکام قرآن کو حاکم قرار دیں جب تک قانون اسلام صفحہ قرطاس پر جملہ مرکبہ کی صورت میں رہے گا اور اس پر کوئی عمل درآمد نہ ہوگا تو ہمیں ترقی اور عظمت کے لئے سوچنا اپنے کو خواب غفلت میں ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

## تیسری فصل

### امامت

#### امامت

نبی کی بحث میں بیان ہوا خداوند عالم پر انبیاء کا لوگوں کی سعادت و نیک بختی کے لئے قانون کے ساتھ بھجنا واجب ہے، اور جس طریقہ سے نبی نے امانت و دیانت کے ساتھ اسلام کے احکام کو بغیر کمی و زیادتی کے لوگوں تک پہنچانے میں کوشش کی ایسے ہی رسول کے بعد ایسے شخص کا ہونا ضروری ہے جو احکام کو بغیر کمی و زیادتی کے لوگوں تک پہنچائے، یعنی دین کی حفاظت اور لوگوں کے دینی و دنیاوی امور کو انجام دے تاکہ انسان کے لئے کمال و سعادت کی راہیں وارہیں، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک لمحہ کے لئے فاصلہ و جدائی نہ ہو سکے ایسے شخص کو امام اور خلیفہ رسول کہتے ہیں۔ تمام ائمہ اطہار نبی کے علوم کے محافظ اور انسان کی کامل ترین فرد اور نمونہ عمل اور اسلام کے لئے مثل راہ ہوتے ہیں خود کامل اور سعادت کی راہوں میں سیر کرتے ہوئے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

#### امام کے صفات

عصمت: نبی کی طرح امام کو بھی احکام دین اور اس کی تبلیغ و ترویج میں خطا و غلطی، سو و نیان سے منزہ ہونا ضروری ہے، تاکہ دینی احکام کسی کمی اور زیادتی کے بغیر کامل طور پر اس کے پاس موجود رہے اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلنے اور حق تک پہنچنے کا جو حفظ ایک راستہ ہے اس کو مخدوش نہ ہونے دے، پس امام کا گناہوں سے محفوظ رہنا اور جو کچھ کہے اس پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے قول کی اہمیت اور، بات کا بھرم باقی رہے اور لوگوں کا اعتماد اس سے زائل نہ ہو اگر امام گناہ کا مرتکب ہوگا تو اس کی یہ سیرت لوگوں کے لئے سرمشق عمل ہوگی جس سے نبی اور امام کے بھیجنے کا مقصد فوت ہو جائے گا نیز ان کا یہ کردار لوگوں کو اللہ کی معصیت پر ابھارنے کا باعث بنے گا، لہذا امام کے لئے ضروری ہے احکام اسلام پر سختی سے عمل کرے اپنے ظاہر و باطن کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے تاکہ اس سے خطا اور غلطی کا امکان نہ رہ جائے۔ مختصر یہ کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے نیز امام کا



دین کے تمام احکام سے واقفیت اور ہر وہ مطالب جو لوگوں کی راہنمائی اور رہبری کے لئے سزاوار میں اس کا جاننا ضروری ہے تاکہ انسان کے لئے سعادت و ہدایت کی شاہ راہ ہمیشہ کھلی رہے۔

### کمال اور فضیلت

پہلی بحث میں ذکر ہوا، امام بھی نبی کی طرح دین کے تمام احکام پر عمل اور اس کے جملہ اصول پر چل کر ایک نمایاں فرد اور کمال انسان ہوتے ہیں، لہذا وہ سیدھے راستے پر خود بھی چلتے اور دوسروں کو بھی ساتھ میں راہنمائی و ہدایت کرتے ہیں یہ الہی معارف و حقائق کی گھٹیوں کو بخوبی درک کرتے ہیں دین کا شاہکار اور کمال ترین نمونہ ہوتے ہیں۔

### معجزہ

اخبار و احادیث سے استفادہ ہوتا ہے کہ ائمہ طاہرینؑ بھی تمام انبیاء کی طرح صاحب اعجاز ہوتے ہیں، فرد بشر جس کام سے عاجز ہو اس کو یہ با آسانی انجام دے سکتے ہیں، نبی کی طرح ان کے لئے بھی امکان پایا جاتا ہے کہ اپنی عصمت و امامت کو ثابت کرنے کے لئے معجزہ کو بروئے کار لائیں اور اپنی حجت لوگوں پر تمام کریں۔ ہاں اگر کوئی مزید تحقیق کرنا چاہے تو حدیث اور تاریخی کتابوں کی طرف رجوع کرے، اس پر حقیقت کھل کر آشکار ہو جائے گی کہ ائمہ اطہارؑ نے کتنے مقامات پر معجزہ سے کام لیا ہے، البتہ جتنے معجزات و مطالب ائمہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ہم ان سب کی حقیقت کا دعویٰ نہیں کرتے کیونکہ مہجول مطالب کا بھی امکان پایا جاتا ہے۔

### امام کی پہچان

امام کو دو راستوں سے پہچانا جاسکتا ہے: پہلا راستہ: نبی یا امام خود اپنے بعد آنے والے امام کی پہچان بیان کرے اور لوگوں کے درمیان اپنے جانشین کے عنوان سے مشخص کرے، اگر خود امام یا نبی اس فریضہ کو انجام نہ دیں تو لوگ امام کو معین نہیں کر سکتے اس لئے کہ عصمت اور اعلیت کے مصداق کو فقط خدا یا اس کے نمائندے ہی جانتے ہیں اور دوسروں کو اس کی خبر نہیں دی گئی ہے دوسرا راستہ: (معجزہ) اگر امام اپنی امامت کو ثابت کرنے کے لئے معجزہ اور (خارق عادت) چیزوں کی نشان دہی کرے تو اس

کی امامت ثابت ہو جائے گی کیونکہ اگر وہ اپنے امامت کے دعوے میں جھوٹا ہے تو سوال یہ ہے کہ خدا نے معجزہ سے اس کی مدد کیوں فرمائی؟

### امام اور نبی میں فرق

امام اور نبی میں چند جہات سے فرق پایا جاتا ہے۔ پہلا: نبی دین اور اس کے احکام کو لانے والے ہوتے ہیں، لیکن امام اس کا محافظ اور معاشرے میں اس کو اجرا کرنے والا ہوتا ہے۔

دوسرا: نبی یا پیغمبر (ص) شریعت اور احکام کو وحی کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں نیز نبی کا رابطہ خدا سے براہ راست ہوتا ہے، لیکن امام چونکہ شریعت لانے والے نہیں ہوتے اس لئے احکام ان کے لئے وحی کی صورت میں نہیں آتے، بلکہ وہ احکام کو نبی سے دریافت کرتے ہیں اور نبی کے علم میں ہدایت و راہنمائی کے عنوان سے دخالت رکھتے ہیں۔

### تخصیص امام اور امام کی تعداد

جو شخص کسی قوم یا معاشرے میں نفوذ رکھتا ہو یعنی صاحب منصب و سرپرستی کے عنوان سے لوگوں کی راہنمائی کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں رکھتا ہو اگر وہ کچھ دنوں کے لئے جانا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرے اور اس نائب و جانشین میں ساری وہی ذمہ داریاں پائی جانی چاہیے جو اس سے پہلے اصل شخص میں موجود تھیں، یعنی پورے معاشرے کی سرپرستی اس کے ہاتھ میں ہو، اس طرح کا کوئی بھی شخص بغیر کسی جانشین کے نہیں جاتا ہے، جس سے لوگوں کے تمام کام مفلوج ہو کر رہ جائیں چہ جائیکہ پیغمبر اسلام کہ آپ کو اس کا بخوبی علم تھا اور آپ اس کی اہمیت کے بھی زیادہ قائل تھے کیونکہ جب بھی کوئی دیہات یا شہر فتح ہوتا تو آپ فوراً وہاں پر ایک گورنر معین فرماتے تھے۔ اور جب بھی کہیں جنگ کے لئے لشکر بھیجتے تو اس کے لئے کمانڈر اور یکے بعد دیگرے کئی فرد کو معین فرماتے تاکہ ایک شہید ہو جائے تو اس کی جگہ پر دوسرا رہے، اور آپ بھی کہیں سفر کے لئے جاتے تو اپنا جانشین کسی کو معین فرماتے جس پر مدینہ کے تمام کاموں کی ذمہ داریاں ہوتی تھیں۔

کیا یہ ہو سکتا ہے کہ چھوٹے اور معمولی سفر کے لئے اپنا جانشین معین کریں لیکن جب ہمیشہ کے لئے جا رہے ہوں تو کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرمائیں؟ اور نئے مسلمان کہ جن کی بنیاد بھی مضبوط بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ آپ ان کو اس حالت پر چھوڑ کر چلے جائیں، کیا

یہ کوئی سوچ سکتا ہے کہ آں حضرتؐ اپنی پوری زحمت کو بے سارا چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ جب کہ آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ مسلمان بغیر معصوم راہنما کے زندہ اور اسلام تابندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ اس لئے قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی زندگی میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے میں ایک پل کے لئے بھی فروگذاشت نہیں فرمائی اور جو بھی موقع آپ کو حاصل ہوا، دامے درمے، قدمے سخن ہر طرح سے بحث کرتے رہے، جو رسولؐ اپنی زندگی کے ایک لمحہ کو اسلام اور مسلمین کے لئے تھنہ نہ چھوڑے ہمیشہ کے لئے اتنا بڑا داغ اپنے سینہ پر رکھ کر کیسے سو سکتا ہے؟! ہم نے اس سے پہلے ثابت کیا تھا رسولؐ کے لئے امام کا معین کرنا نہایت ضروری ہے اس لئے کہ خدا اور رسولؐ کے علاوہ عصمت باطنی سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا ہے اگر ایسا نہیں کرتا تو گویا دین اسلام کو ناقص چھوڑ کر جا رہا ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول خداؐ نے مسلمانوں کے لئے اپنا جانشین معین فرمایا ہے، حضرت نے نہ صرف اپنے بعد خلیفہ بلا فصل کو معین کیا ہے بلکہ اماموں کی تعداد (بارہ ہوں گی) اور بعض روایات میں ان کے اسمائے گرامی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: میرے بعد قریش سے بارہ خلیفہ ہوں گے ان کا پہلا شخص علیؑ اور آخری مہدیؑ موعود ہوگا، اور جابر کی روایت میں نام بہ نام اماموں کی تصریح وجود ہے۔

<sup>۱</sup> غایۃ المرام سید ہاشم بحرانی، اثبات الہدایۃ - محمد بن حسن حر عاملی - بحار الانوار علامہ مجلسی - ینابیع المودۃ سلیمان حنفی شافعی - صحیح ابی داؤد - مسند احمد - اور دیگر تمام حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے -

## پہلے امام حضرت علی ابن ابی طالب علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۱۳ رجب المرجب ہجرت سے ۲۳ سال پہلے۔

محل ولادت: خانہ کعبہ۔

والد کا نام: عمران، ابو طالب۔

والدہ کا نام: فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا۔

سن مبارک: ۶۳ سال۔

شہادت: ۱۹ رمضان کو ضربت اور ۲۱ رمضان سن ۴۰ ہجری۔

محل: مسجد کوفہ۔

مدفن: نجف اشرف۔

رسول خدا ﷺ نے آغاز بعثت سے لے کر اپنی وفات کے آخری لمحات تک نہ معلوم کتنی مرتبہ حضرت علی ابن ابی طالب کو اپنا جانشین اور مسلمانوں کے لئے امام و خلیفہ کے عنوان سے تعارف کرایا۔ اپنی عمر کے آخری سال میں حج کے مناسک کو انجام دینے کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور حج سے واپسی کے وقت مقام غدیر خم پر خداوند عالم کی طرف سے آیت نازل ہوئی، اے رسول! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہنچا دو، اور تم نے ایسا نہ کیا (تو سمجھ لو کہ) تو تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا، خدا ہر گز کافروں کی قوم کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ حضرت اس مقام پر ٹھہر گئے اور لوگوں کو بھی وہیں قیام کا حکم دیا اس وقت حضرت کے چاروں طرف ستر ہزار کا مجمع تھا حکم ہوا فہر بنایا جائے، فوراً اونٹوں کے کجاوہ کا فہر بنایا گیا، لوگوں سے آشنائی کرانے کے لئے حضرت فہر پر اپنے ساتھ علی بن ابی طالب کو بھی لے گئے اور ایک تفصیلی خطبہ کے بعد فرمایا، (لوگوں آگاہ رہو) میں جس کا مولیٰ ہوں علی، اس کے مولیٰ میں اے خدا! جو علی کو دوست رکھے تو اے دوست رکھ اور جو ان سے بغض رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔ لوگوں میں سب سے پہلے

<sup>۱</sup> مانند (۶۷) (يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ)

حضرت عمرؓ نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور کہا : اے علیؓ! آپ کو مبارک آپ ہمارے اور جملہ مومنین و مومنات کے سر پرست اور اولیٰ بالتصرف ہو گئے اس کے بعد لوگوں نے آپ کی بیعت کرنی شروع کر دی پھر تین دن تک بیعت ہوتی رہی۔

حضور سرور کائنات نے شدید گرم ہوا جلانے والے سورج اور تپتی ہوئی زمین جہاز پر اسلام کے اس مهم کام کو انجام دیا اور آپ حضرت نے علی ابن ابی طالبؓ کی رسمی طور پر تاج پوشی فرمائی اور علیؓ خلافت و امامت کے عظیم عہدہ پر فائز ہوئے یہ پراہمیت واقعہ اٹھارہ ذی الحجہ سن دس ہجری میں واقع ہوا، شعیان اہلبیتؑ اس دن کو عید زہرا اور جشن و مسرت کا دن جانتے ہیں اور اس دن جشن ولایت اور محافل کے عنوان سے بہ کثرت پروگرام منعقد کرتے ہیں۔

حضرت رسول خداؐ نے اپنی نخت جگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی شادی آپ سے کی اور اصحاب کبار کے ایک گروہ نے غدیر خم کے واقعہ کی روایت کی ہے، اور یہ روایت متواتر و قطعی ہے، اور سنی و شیعہ کی معتبر کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے، اور مذکورہ حدیث غایۃ المرام میں اہل سنت کے ۸۹ طریقوں سے نقل ہوئی ہے اور شیعوں کی کتابوں میں ۴۳ طریقوں سے منقول ہے۔ آپ آں حضرتؑ کے داماد ہو گئے، حضرت علیؓ کے کمالات اور آپ کی خدمات اسلام میں اس قدر زیادہ ہیں جن کو اس کتاب میں بیان کرنا محال ہے بلکہ دریا کو کوزے میں سمونے کے مترادف ہے آپ اسلام کی مدد خدا کی عبادت ترویج دین کے لئے جہاد کرتے آپ تمام جنگوں میں آگے آگے کسی دشمن خدا سے نہیں ڈرتے تھے حتیٰ سخت موقع، خطرناک حوادث میں فداکاری و جانثاری سے ایک پل کے لئے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، شجاعت و مردانگی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا عبادت پروردگار میں خود اپنی مثال اور بیگاتہ روزگار تھے علم و فہم میں بے مثال، خازن علوم نبیؐ تھے حضرت زراعت اور کھیتی کو پسند فرماتے تھے نیز زمین کو زندہ کرنے اور اس پر درخت لگانے اور جگہ جگہ پانی کے کنویں کھودنے کو بہت دوست رکھتے تھے۔ اس جہان فانی سے آنحضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی مناتھوں کی گندی یاست آپ کے فضائل و کمالات سے چشم پوشی آنحضرتؐ کے حکم کی صریح مخالفت کے بعد کہنے کو رہ گیا، علیؓ جوان میں اور حکومت کے امور بہت مشکل! اور علیؓ نے دشمنان اسلام کے سربراہوں کا قلع قمع کیا ہے لہذا وہ آپ سے حد کرتے ہیں، اور آپ کو حکومت کے لئے پسند نہیں کرتے، ایسے ہی بے بنیاد مضحکہ آمیز بہانے کی آڑ میں حضرت کو خلافت سے سبکدوش کر دیا۔

حضرت علیؓ پچیس سال خلفا کے دور حکومت کی تنہائی اور گوشہ نشین زندگی میں اپنے لائق چاہنے والوں کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، عثمان کے قتل ہوتے ہی لوگوں نے آپ کی بیعت کی اور چار سال نو مینے ظاہری خلافت پر فائز رہے۔ حضرت علیؓ ترسٹھ سال اس دنیا میں رہے اور انیس رمضان سن ۴۰ ہجری ابن ملجم کی ضربت سے مجروح ہوئے اور ۲۱ رمضان المبارک کو جام شہادت نوش فرمایا: پہلا واقعہ حضرت علیؓ کے دور حکومت کا واقعہ ہے، آپ کے خزانہ دار بیان کرتے ہیں خزانہ میں ایک مروارید کا ہار تھا آپ کی ایک بچی عید الاضحیٰ (عید قربان) کے دن پہننے کے لئے عاریتاً لے گئی اس شرط کے ساتھ کہ تین دن میں واپس اور اگر گم ہو گیا تو اس کی قیمت ادا کرے گی۔

حضرت علیؓ بچی کے گھے میں ہار دیکھ کر پہچان گئے اور میرے پاس آکر کہنے لگے مسلمانوں کے مال میں تم نے خیانت کیوں کی ہے؟ میں نے پوری تفصیل آپ کے سامنے بیان کر دی اور کہا کہ آپ کی بیٹی نے واپس کرنے کی ضمانت لی ہے، اور میں خود بھی اس کا ذمہ دار ہوں۔ فرمایا: ابھی اسے واپس لے لو اور آئندہ تم نے ایسا کام کیا تو میں تجھے سزا دوں گا، آپ کی بیٹی نے کہا: بابا جان! کیا بیت المال سے ہمیں اتنا بھی حق نہیں پہونچتا کہ ایک ہار چند دن کے لئے عاریہ کے طور پر لے سکیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: بیٹی اپنے حق سے تجاوز نہ کرو! کیا عید کے دن زینت کے لئے مہاجرین کی عورتیں ایسا ہی ہار رکھتی ہیں! ہوو سرا واقعہ: حضرت امیر المومنینؓ نے ایک عورت کو دیکھا جو سر پر مشکیزہ لئے چلی جا رہی ہے آپ نے فرمایا: مشک مجھے دیدے تاکہ میں تیرے گھر تک پہونچا دوں اس سے مشک لیا اور راستہ میں احوال پرسی کرنے لگے اسی اثنا میں اس نے کہا: علی بن ابی طالب نے میرے شوہر کو ملک کی فلاں سرحد پر بھیجا تھا اور وہ وہاں قتل ہو گیا اس نے وارث میں چھوٹے چھوٹے یتیم بچے چھوڑے ہیں جو کھانے اور پہننے کے بھی محتاج ہیں لہذا میں مجبور ہو کر ان کے لئے محنت و مزدوری کر کے کھانے کا بندوبست کرتی ہوں، حضرت مشک اس کے گھر پہونچا کر بیت الشرف تشریف لائے اور نہایت کرب و پریشانی کی حالت میں رات بسر فرمائی۔ صبح ہوتے ہی کھانے کی بوری اٹھا کر اس بیوہ کے گھر لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا عورت دیکھ کر پہچان گئی اور کہا خدا تم سے راضی و خوش ہو اور اللہ میرے اور علیؓ کے درمیان فیصلہ کرے آپ نے اس عورت سے فرمایا: کیا تو روٹی بنائے گی میں بچوں کو بھلاؤں اگر تو بچوں کو بھلاؤ تو میں روٹی بناؤں، عورت نے کہا: تم بچوں کو بھلاؤ میں روٹی بناتی ہوں، حضرت یتیم بچوں کو بھلانے اور خوش کرنے میں

مشغول ہو گئے یہاں تک کہ اس نے کھانا پکا کر تیار کر دیا، تو آپ اپنے ہاتھوں سے بچوں کے منہ میں روٹی اور گوشت و کھجور کے لقموں کو ڈالتے اور کہتے جاتے تھے، اے میری آنکھوں کے نور نظر کھاؤ اور علی سے راضی ہو جاؤ پڑوس کی عورت نے حضرت کو دیکھ کر پہچان لیا اور بیوہ عورت سے کہا یہ شخص امیر المومنین ہیں وہ بیوہ عورت دوڑی ہوئی حضرت کی خدمت میں آئی اور معذرت کے ساتھ کہنے لگی: یا امیر المومنین! میں آپ سے شرمندہ ہوں، حضرت نے فرمایا: تم علی کو معاف کر دو کہ میں نے تیری خبر گیری نہیں کی علی تم سے بہت شرمندہ ہے۔

## دوسرے امام حسن بن علی علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۵ رمضان المبارک سن ۳ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: حضرت علی ابن ابی طالبؑ

والدہ کا نام: فاطمہ بنت رسول خداؐ

سن مبارک: ۴۷ سال

شہادت: ۲۷ صفر المظفر سن ۵۰ ہجری

محل شہادت: مدینہ

مدفن: قبرستان بقیع (جنت البقیع)

حضرت علیؑ نے اپنے فرزند امام حسنؑ کو خدا کے حکم سے منصب امامت کے لئے معین فرمایا<sup>۱</sup>۔ حضرت رسول خداؐ (امام حسن و حسینؑ) کو بہت چاہتے اور ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں<sup>۲</sup>۔ حضرت امام حسنؑ اپنے والد ماجد کی شہادت کے بعد منذ خلافت و حکومت پر جلوہ افروز ہوئے لیکن معاویہ کی شدید مخالفت اور اس کے جیل و فیہ کے سبب جنگ کی نوبت آگئی اور وہ وقت یہاں تک آ پہنچا کہ معاویہ کی فوج حضرت امام حسنؑ کے روبرو کھڑی ہو گئی جب امام حسنؑ نے اپنے سپاہیوں کے حالات اور ان کی کارکردگی کا معائنہ کیا تو ان میں اکثر کو خیانت کے جال میں پھنسا ہوا پایا لہذا آپ جنگ سے منصرف ہو کر معاویہ سے صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔

امام حسنؑ کے صلح کی بنیادی دو وجہیں تھیں: پہلی وجہ (الف): حضرت کے فوجیوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن متفرق اور غیر منظم تھے اور ان میں اکثریت ایسے افراد کی تھی جو ظاہر میں آپ کے ساتھ اور باطن میں معاویہ کے طرفدار تھے، معاویہ سے یہاں تک

<sup>۱</sup> اثبات الہدایہ ج ۵، ص ۱۲۱۔

<sup>۲</sup> ینابیع المودۃ، ص ۳۷۳۔



طے ہو چکا تھا کہ ”ہم امام حسن کو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں گے“ حضرت امام حسنؑ نے دیکھا اگر اس حال میں ان سپاہیوں کے ساتھ جنگ کی جائے تو شکست یقینی ہے۔

ب: اگر ان سے جنگ کا ارادہ کریں تو ان منافقوں سے داخلی جنگ اور آپس ہی میں خون خرابہ شروع ہو جائے گا اور اس اختلاف میں علیؑ کے چاہنے والے کثرت سے شہید ہو جائیں گے نتیجہ میں مسلمانوں کی طاقت کمزور ہو جائے گی۔ دوسری وجہ: معاویہ لوگوں کو فرب اور دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو دین کا حامی و مددگار مظلوموں سے دفاع کرنے کا نعرہ بلند کرتا تھا اور کہتا تھا میرا مقصد اس جنگ سے اسلام کی ترویج اور قرآن کا بول بالا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ حضرت کو اطلاع تھی کہ معاویہ جھوٹ بولتا ہے، اور اس کو حکومت اور ریاست کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہیں ہے مگر اس مطلب کو آسانی سے لوگوں کو سمجھایا نہیں جاسکتا تھا۔ ان دو وجوہ کے علاوہ اور دوسرے اسباب کی بنا پر صلح کے لئے آمادہ ہو گئے، تاکہ معاویہ کی مکاری اور اس کی خباثت لوگوں پر آشکار ہو جائے اور تمام لوگ معاویہ اور سیرت بنی امیہ کو خوب پہچان لیں تاکہ آنے والے انقلاب کے لئے ایک بہترین راہ فراہم ہو سکے۔ حضرت نے روح اسلام اور اصل دین کی بقا کے لئے صلح کا اقدام فرمایا اور صلح نامہ میں اپنے تمام شرائط کو اس سے باور کرایا تھا لیکن معاویہ نے ایک شرط کو بھی پورا نہ کیا، سن پچاس ہجری میں معاویہ کے حکم سے جعدہ بنت اشعث نے حضرت امام حسنؑ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔

### امام حسنؑ کا واقعہ

ایک شامی نے حضرت کو دیکھ کر گالیاں دینا شروع کر دیا جب وہ خاموش ہوا تو آپ اس کی طرف متوجہ ہو کر سلام کر کے مسکرا دئے اور فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تو مسافر ہے اور میری حقیقت تجھ پر روشن نہیں ہے، اگر تو معافی مانگے گا تو تجھ سے راضی ہو جاؤں گا، اگر کوئی چیز طلب کرے گا تو عطا کروں گا، اگر راہنمائی چاہتا ہے تو راہنمائی کروں گا، اگر بھوکا ہے تو تجھے سیر کروں گا، اگر لباس نہیں رکھتا ہے تو لباس دوں گا، اگر فقیر ہے تو غنی کر دوں گا، اگر بھگ کر آیا ہے تو تجھے پناہ دوں گا، اگر کوئی حاجت ہے تو حاجت روائی کروں گا، میرا گھر وسیع اور میرے پاس بہت مال ہے اگر تو میرا مہمان ہو گا تو تیرے لئے بہتر ہے۔

جب شامی نے حضرت سے یہ تمام باتیں سنیں، گریہ کرنے لگا اور رو کر کہنے لگا : میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے خلیفہ اور لوگوں کے امام میں بیشک خدا بہتر جانتا ہے خلافت و امامت کو کہاں قرار دے یا بن رسول اللہ ! آپ کی ملاقات سے پہلے میں آپ کا اور آپ کے والد کا سخت ترین دشمن تھا، اور آپ کو تمام لوگوں میں بہت ترین آدمی سمجھتا تھا، لیکن اب آپ سے بے انتہا محبت کرتا ہوں اور آپ کو لوگوں میں بہترین شخص جانتا ہوں پھر وہ شخص حضرت کے بیت الشرف آیا اور جب تک مدینہ میں تھا حضرت کا مہمان رہا<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> مناقب شہر آشوب، ج ۴، ص ۱۹ -

## تیسرے امام حضرت حسین ابن علیؑ

ولادت با سعادت: ۳ شعبان سن ۴ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: حضرت علی ابن ابی طالبؑ

والدہ کا نام: حضرت فاطمہ بنت رسول اللہؐ

سن مبارک: ۵۷ سال

شہادت: ۱۰ محرم الحرام سن ۶۱ ہجری

محل شہادت: کربلائے معلیٰ

مدفن: کربلائے معلیٰ

حضرت امام حسنؑ نے خداوند عالم کے حکم سے اپنے بھائی امام حسینؑ کو منصب امامت و خلافت کے لئے منتخب فرمایا: حضرت امام حسنؑ معاویہ کے زمانے میں نہایت سختیوں اور مشکلات کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے کہ معاویہ دین اسلام کے احکام کو اپنے پیروں سے روند رہا تھا اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم پر اپنا حکم مقدم کئے ہوئے تھا، دوسرے معاویہ حضرت کے چاہنے والوں کو بلا عذر قتل، اور آپ کو اور آپ کے دوستوں کی ہلاکت کے لئے کسی بھی کام سے دریغ نہیں کرتا تھا۔

یہاں تک کہ معاویہ فوت ہوا یزید اس کا جانشین تخت حکومت پر آتے ہی مدینہ کے گورنر (ولید) کو حکم دیا کہ حسینؑ سے میری بیعت لے لی جائے اور اگر بیعت نہ کریں تو ان کا سر میرے پاس بھیج دو، اس حکم کو پاتے ہی ولید نے آپ کو طلب کیا اور یزید کا یہ پیغام آپ کے گوش گزار کیا، آپ نے غور و فکر کرنے کے لئے ایک شب کی مہلت مانگی حضرت نے یزید کی بیعت اور اس کی تصدیق میں اسلام کی بھلائی نہ دیکھی اپنی جان کو خطرہ میں دیکھ کر مدینہ سے کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا، خدا کے حرم مکہ معظمہ میں پناہ لینے کے لئے اٹھائیں رجب کو روانہ ہوئے اور تین شعبان کو مکہ پہنچ گئے۔

امام حسینؑ کے ساتھ یزید کے برتاؤ کی خبر عراق میں پھیلی اور کوفہ کے معزز افراد جو حکومت معاویہ و یزید سے تنگ آچکے تھے حضرت کے لئے کثیر تعداد میں خط لکھا اور اس میں آپ کو عراق آنے کی دعوت دی اور ادھر حضرت بھی دیکھ رہے تھے کہ یزید دین اسلام کے ساتھ کیا بد سلوکی سے پیش آرہا ہے، اپنی حکومت کو محفوظ رکھنے کے لئے اللہ و رسولؐ کی مخالفت سے کوئی لمحہ فرو گزاشت نہیں کیا، اور اس بات کا پورا پورا خوف موجود ہے قانون اسلام کو منہ کر کے اپنے گندے افعال کو اس کی جگہ پر رکھے، اور یہ وقت بھی آگیا ہے کہ فرزند رسولؐ سے اپنی حکومت و سلطنت کی تصدیق چاہے اور ادھر یزید نے حاجیوں کے لباس میں منافقین کو میت اللہ حضرت کو قتل یا اسیر کرنے کے لئے بھیج رکھا ہے، لہذا حضرت نے حج کو عمرہ سے بدل کر حرم خدا کی عزت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے وہاں سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے (یہ کوفہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت نے پہلے مسلم بن عقیل کو بھیجا تھا اور اس میں آپ کے چاہنے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور انہیں لوگوں نے آپ کو کوفہ آنے کی دعوت اور مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا) یزیدی فوج نے کربلا کے مقام پر آپ کو گھیر لیا آپ نے کوفہ کے لئے کہا تو ادھر سے یزید کا حکم آہونچا جہاں میں وہیں روک لو، ان سے بیعت لے لو، اگر بیعت کرتے ہیں تو ٹھیک ہم آئندہ کے لئے غور و فکر کریں گے اور اگر بیعت نہیں کرتے تو ان سے جنگ کر کے ان کا سر میرے پاس بھیج دو، حضرت نے ذلت و رسوائی کے مقابلے میں شہادت کو ترجیح دی، اور اپنی مختصر سی فوج لے کر ٹڈی دل لشکر کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کمال شجاعت کے ساتھ بہت سے دشمنوں کو جہنم کے حوالے کیا۔

آخر کار آپؑ بھائیوں، بھتیجیوں، بھانجوں انصار و اصحاب کے ساتھ جام شہادت نوش فرما کر ابدی نیند سو گئے ہم اہل بیتؑ کے دوست دار اس دن کو غم و اندوہ کا دن قرار دیتے ہیں، حضرتؑ اور ان شہیدوں کے غم کو تازہ رکھنے کے لئے مجلس عزاء اور عزاداری برپا کرتے ہیں، تاکہ ہم میں اور ہماری نسلوں میں فداکاری ظلم کے سامنے استقلال اور حریم اسلام کے دفاع کے جذبات زندہ اور باقی رہیں کیونکہ حضرتؑ نے اپنی شہادت انہیں مقاصد کے لئے دی ہے لہذا ہم بھی اس کو کبھی نہیں بھولیں گے، حضرت امام حسینؑ نے ذلت سے سربہ تسلیم ہونے کے بجائے مسلمانوں کو فداکاری، جانثاری، دشمنوں کے مقابل قیام، دین سے دفاع، اور عزت کے ساتھ مرنے کا عملی درس دیا ہے۔

بنی امیہ اور یزید جو جانشینِ رسولؐ کے نام پر حکومت کرتے تھے ان کو ذلیل اور گھناؤنا کردار ذلیل کثیف اعمال پر خط بطلان کھینچ دیا، حکومت بنی امیہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا نیز ان کے برے ارادہ کو نقشِ بر آب کر دیا۔ مجلس و عزاداری نوحہ و ماتم گریہ و زاری حضرت کے عظیم ہدف کو پورا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہم کو ان کے ہدف و مقصد پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔

## چوتھے امام حضرت علی بن حسین زین العابدین علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۵ اجمادی الثانی سن ۳۸ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

ماں کا نام: شربانو سلام اللہ علیہا بنت یزد جرد (بادشاہ ایران)

والد کا نام: امام حسینؑ

سن مبارک: ۵۷ سال

وفات: ۲۵ محرم سنہ ۹۵ ہجری

محل وفات: مدینہ منورہ

مدفن: قبرستان بقیع (جنت البقیع)

حضرت امام حسینؑ نے خداوند عالم کے حکم سے اپنے فرزند حضرت علی بن الحسین زین العابدینؑ کو منصب خلافت و امامت کے لئے منتخب فرمایا حضرت امام سجادؑ عبادت خدا میں اس قدر سجدہ کرتے تھے کہ آپ کا لقب سجاد اور زین العابدینؑ ہو گیا آپ واقعہ کربلا میں موجود تھے لیکن بیماری کے سبب جنگ میں شرکت نہ کر سکے۔

کربلا کی واپسی پر کوفہ و شام میں آپؑ نے اپنے خطبہ کے درمیان اپنے والد کی حقانیت اور ان کے مقدس ہدف کی وضاحت فرمائی ہے اور ان شہیدوں کے راستہ کو حقانیت و دیانت کا راستہ بتایا ہے۔ حضرت امام زین العابدینؑ چونکہ ہمیشہ سختی اور علی آزادی نہ

<sup>۱</sup> اثبات الہدایۃ، ج ۵، ص ۲۱۲۔ ارشاد مفیدؒ، ص ۲۳۸۔

ہونے کی وجہ سے علوم اور معارف اسلام کو لوگوں تک نہ پہونچا سکے اس لئے مجبوراً گوشہ نشین اور عبادت میں مشغول ہو گئے نیز دین اسلام کی ترویج اور تعلیم و تربیت کا ایک دوسرا راستہ اختیار فرمایا، اور وہ دعا ہے کہ جس میں دین اسلام کی تمام مهم چیزوں کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے، اور معارف علوم اسلامی کا ایک دریا صحیفہ سجادہ کی صورت میں لوگوں کے اختیار میں قرار دیا ہے جو آپ کی دعاؤں کا مجموعہ ہے کہ جسے زبور آل محمد بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت کا پسندیدہ مشغلہ یتیم و مسکین و نادار و مجبور اور بے سرپرست افراد کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھانا تھا اور گاہے اوقات تو خود اپنے ہاتھوں سے ان کو کھلاتے تھے مدینہ کے بہت سے ضرورتمند گھرانوں میں کھانا اور لباس دینا آپ کا خاص و طیرہ تھا، اور اکثر جب لوگ سو جاتے تو آپ رات کی تاریکی میں چہرے کو ڈھاکے ہوئے دوش پر کھانوں کا گٹھراٹھائے غریبوں اور فقیروں میں تقسیم کیا کرتے تھے، جس دن دیر ہو جاتی فقرا و مسکین آپ کے انتظار میں بیدار رہتے جب آپ کی زیارت ہوتی تو آپس میں کہتے تمہیں مبارک ہو وہ شخص آگیا ان کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کھانا پہونچانے والا کون شخص ہے؟ جب حضرت کی وفات ہوئی اور کئی دن گزر گئے (اور کھانا ان کو نہ ملا) تو سمجھے کہ راتوں میں کھانا پہونچانے والے امام زین العابدین کے سوا کوئی اور نہ تھا، بس رونا اور پیٹنا شروع کر دیا۔

## پانچویں امام حضرت محمد بن علی الباقر علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۳ صفر ۵۷ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: علی بن الحسینؑ

والدہ کا نام: فاطمہ بنت امام حسنؑ

سن مبارک: ۵۷ سال

شہادت: ۷ ذی الحجہ سن ۱۱۴ ہجری

محل وفات: مدینہ منورہ

مدفن: قبرستان یثیع

حضرت امام زین العابدینؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام محمد باقرؑ کو منصب امامت و حکومت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ کی علمی قابلیت اس قدر زیادہ تھی کہ لوگ آپ کو باقر العلوم کے لقب سے پہچانتے تھے۔ تمام علمی طبقوں میں آپ کو قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور تمام حضرات آپ کے سامنے نہایت فروتنی اور انکساری کے ساتھ مثل طفلِ مکتب دوزانوں ہو کر بیٹھتے تھے اور اپنی مشکلات کو بیان کرتے اور کافی و ثانی جواب لے کر رخصت ہوتے تھے، حضرت کو وہ فرصت حاصل ہوئی جو آپ سے پہلے اماموں کے لئے فراہم نہ تھی لہذا اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اسلامی معارف و شریعت کے احکام اور علمی مطالب کا

<sup>۱</sup> اثبات الہدایۃ، ج ۵، ص ۲۶۳۔ ارشاد مفید، ص ۲۴۵۔



دریا بہا دیا اس دور میں کثرت سے حدیثیں اور مفید اقوال لوگوں تک پہنچے کہ جس طرف سنتے ”قال الباقر“ اور ”قال الصادق“ کی صدا ہی سنائی دیتی تھی، اپنے ہاتھوں زراعت اور حصول رزق میں زحمت کرنا آپ کا خاص مشغلہ تھا۔

محمد بن منکدر کہتے ہیں: میں ایک دن اطراف مدینہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو زراعت کرنے کی حالت میں پورا بدن پسینہ سے تر دیکھا میں نے سوچا محترم اور معزز شخصیت، فرزند رسول کو کھیتی کرتے ہوئے زیب نہیں دیتا کہ حصول دنیا میں اس قدر عرق ریزی اور اس گرمی میں گھر سے باہر کھیت کی سختی کو برداشت کریں لہذا میں ابھی چل کر ان کو نصیحت کرتا ہوں، آپ کے نزدیک جا کر سلام کیا آپ نے سلام کا جواب دیا میں نے عرض کی: یا بن رسول اللہ! آپ کو اس وقت اور اتنی شدید گرمی میں حصول دنیا کے لئے عرق ریزی کرنا زیب نہیں دیتا ہے، اگر اس وقت آپ کو موت آجائے تو پھر کیا کریں گے؟ حضرت ٹیک لگا کر کہنے لگے: خدا کی قسم اگر اس وقت مجھے موت آجائے تو یہ موت بھی عبادت کی موت ہوگی، اور پھر خدا کی مصیبت میں مشغول رہوں تو موت سے ڈروں، میں اس لئے یہ زحمت برداشت کر رہا ہوں تاکہ تم اور تمہارے جیسے دوسرے لوگوں کا محتاج نہ رہوں۔ میں نے کہا: یا بن رسول اللہ! میں آیا تھا آپ کو نصیحت کرنے کے لئے، لیکن خود آپ سے نصیحت لے کر جا رہا ہوں!۔

## جٹے امام حضرت جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۲۰ ربیع الاول سن ۸۳ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام محمد باقرؑ

والدہ کا نام: ام فروہ سلام اللہ علیہا بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر

سن مبارک: ۶۵ سال

شہادت: ۱۵ رجب یا ۲۵ شوال ۱۴۸ ہجری

محل شہادت: مدینہ

مدفن: مدینہ، قبرستان بقیع

حضرت امام محمد باقرؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام جعفر صادقؑ کو اس منصب امامت و خلافت کے لئے معین فرمایا۔ حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں بنی امیہ و بنی عباس کے درمیان اختلاف اور باہمی کشمکش پورے شباب پر تھی چونکہ بنی امیہ کی موجودہ حکومت کمزوری اور تزلزل کا شکار تھی بنی عباس، بنی امیہ کی مخالفت اور اہل بیت کی طرفداری کا دعویٰ کرتے تھے۔ حضرت امام صادقؑ نے اس فرصت کے موقع سے خوب استفادہ کیا اور معارف دین کی تعلیم اور احکام شریعت کے پھیلانے میں بھرپور کوشش کی، کلاس کی صورت میں اچھے اور لائق شاگردوں کی تربیت فرمائی اور لوگوں کے درمیان حلال و حرام کے مسائل اور

<sup>۱</sup> اثبات الہدایۃ، ج ۵، ص ۳۲۸۔ ارشاد مفیدؒ، ص ۲۵۴۔

ان کی تعلیم و تعلم کو خوب فروغ دیا۔ مکتب امام جعفر صادق (ع) میں تقریباً چار ہزار (۴۰۰۰) شاگردوں نے تربیت و پرورش حاصل کی تھی جس کی برکت سے عظیم کتابیں اور حدیثوں کا خزانہ عالم اسلام کے ہاتھ آیا اور آپ ہی کی وجہ سے مذہب شیعہ مذہب جعفری کے نام سے مشہور ہوا۔

سفیان ثوری کہتے ہیں: ایک دن امام صادق کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہے میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت نے فرمایا: میں نے گھر والوں کو منع کیا تھا کہ کوئی چھت پر نہ جائے لیکن جب میں گھر آیا تو دیکھا ایک کنیز بچے کو لے ہوئے سیرٹھی کے اوپر ہے، جب اس کی نگاہ مجھ پر پڑی بہت حیران و پریشان ہوئی اور لرزتے ہوئے ہاتھوں سے بچہ چھوٹ کر زمین پر گر گیا اور مر گیا، اب اس کنیز کے بے اتہا خوف و دہشت کی وجہ سے غمگین ہوں، اس وقت آپ نے کنیز سے فرمایا: میں نے خدا کی راہ میں تجھے آزاد کیا تم جہاں چاہو جا سکتی ہو۔<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> ارشاد مفید، ص ۲۵۴۔

<sup>۲</sup> مناقب ابن شہر آشوب، ۴، ص ۲۷۴۔

## ساتویں امام حضرت موسیٰ بن جعفر الکاظم علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۷ صفر سن ۱۲۸ ہجری

محل ولادت: ابواء (مکہ و مدینہ کے درمیان واقع ہے)

والد کا نام: امام جعفر صادقؑ

والدہ کا نام: حمیدہ سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۵۵ سال

شہادت: ۲۵ رجب سن ۱۳۸ ہجری

محل شہادت: زندان سندی بن شاہک

مدفن: کاظمین، بغداد

حضرت امام جعفر صادقؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام کاظمؑ کو منصب امامت و خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ اس قدر عبادت گزار اور پرہیزگار تھے کہ لوگ آپ کو عبد صالح سے خطاب کرتے تھے، بہت بردبار و حلیم تھے کبھی کسی غیر پسندیدہ چیز پر غصہ اور ناراض نہیں ہوتے تھے اس لئے آپ کا نام کاظم ہو گیا تھا۔ امام اپنے زمانہ میں ہمیشہ سختیوں اور دشواریوں سے دوچار رہے اس لئے اسلامی علوم پھیلانے اور اسکی نشر و اشاعت کا مناسب موقع ہاتھ نہ آیا پھر بھی بہت زیادہ لوگوں نے آپ سے کتب علم و فیض کیا، اور کثرت سے آپ سے منقول احادیث کتابوں میں موجود ہے۔

ہارون نے ۱۷۹ ہجری میں حضرت کو مدینہ سے عراق بلانے کا حکم دیا اور بصرہ و بغداد کے زندان میں بیشتر مدت تک قید رکھا آخر کار زندان سدی بن شاہک میں آپ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔

### واقعہ

مدینہ میں ایک شخص امام موسیٰ کاظم کو اذیت اور حضرت علی کو گالیاں دیا کرتا تھا آپ کے بعض اصحاب نے عرض کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو اس کو قتل کر ڈالیں، حضرت نے ان کو منع کرتے ہوئے فرمایا: وہ کہاں ہے؟ جواب دیا کہ وہ مدینہ کے اطراف میں زراعت کرتا ہے، حضرت اس کے کھیت کی طرف گئے جب اس کے نزدیک پہنچے خندہ پیشانی کے ساتھ اس کے پاس بیٹھ کر بغیر کسی تکلف کے باتیں کرنا شروع کیں آپ نے اس سے دریافت کیا اس زراعت میں تو نے کس قدر خرچ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: سو اشرفی، اور اسے فائدہ کی تجھے کس قدر امید ہے؟ اس نے کہا: دو سو اشرفی پس حضرت نے اشرفی کی تھیلی نکالی جس میں تین سو اشرفی تھی اس شخص کو دیا اور فرمایا: یہ زراعت بھی تیری ہی ہے، وہ شخص ان تمام اذیت کے مقابلے میں اس احسان کو دیکھ کر اٹھا اور حضرت کے سر کا بوسہ لینے لگا اور بہت زیادہ آپ سے معذرت خواہی کی، امام نے اسے معاف فرمایا اور مدینہ کی طرف واپس چلے آئے، میں نے دوسرے دن اس شخص کو مسجد میں دیکھا کہ اس کی نگاہ جب امام کاظم پر پڑی تو کہنے لگا: خدا بہتر جانتا ہے کہ رسالت و امامت کو کہاں قرار دے، لوگ تعجب کرتے ہوئے اس کے اس رویہ کے متعلق پوچھنے لگے تو وہ شخص حضرت کے فضائل و مناقب اور آپ کے حق میں دعائے خیر کرنے لگا۔

اس وقت امام کاظم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: یہ کام اچھا ہوا یا جو تم لوگ پسند کرتے تھے؟ میں نے تھوڑے پیرے سے اس کی برائی ختم کر دی اور اس کو اہل بیت کا چاہنے والا بنا دیا۔

## آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۱۱ ذیقعدہ ۱۴۸ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام موسیٰ کاظمؑ

والدہ کا نام: جناب نجمہ خاتون خاتون سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۵۰ سال

شہادت: ۲۹ صفر ۲۰۳ ہجری

محل شہادت: طوس

مدفن: مشهد (خراسان)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام علی رضاؑ کو منصب امامت و حکومت کے لئے منتخب فرمایا حضرت امام علی رضاؑ دنیا کے تمام افراد میں سب سے افضل اور میدان علم و عمل میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا، لہذا اس زمانے کے علماء و عتلا آپ سے احکام دینی و معارف اور دوسرے مختلف علوم کے متعلق دریافت کرتے تو آپ ہر ایک کو ان کے متعلق جواب عنایت فرماتے تھے۔ آپ نے مختلف طبقات فکر سے مباحثہ اور مناظرہ بہت ہی دلچسپ انداز سے کیا ہے جو اسلامی کتابوں میں مذکور ہے، آپ کا ایک خاصہ یہ تھا کبھی بھی مباحثہ و مناظرہ کی میز پر کسی مسئلہ میں عاجز و حیران نہیں ہوتے تھے بلکہ ہر ایک کے

<sup>۱</sup> اثبات الہدایۃ، ج ۶، ص ۲۔ ارشاد شیخ مفید، ص ۲۸۵۔

سوال کا جواب انھیں کے مطابق عنایت فرماتے تھے۔ آپ لوگوں کے درمیان بہت زیادہ محترم اور (عالم آل محمد) آل محمد کے عالم کے نام سے پہچانے جاتے تھے، مامون عباسی نے سن ۲۰۰ ہجری میں حضرت کو مدینہ سے ”مرو“ بلایا جب آپ تشریف لائے تو اس نے زمام حکومت آپ کے سپرد کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہ فرمایا، جب اس کا اسرار حد سے زیادہ ہوا تو آپ نے ولی عہدی کا عہدہ قبول فرمایا، اور اس کی ولی عہدی قبول کرنے کا دور راز تھا۔ پہلا: حضرت چاہتے تھے کہ اس ولی عہدی کے ذریعہ مامون کی حکومت میں دینی اور اسلامی رنگ سادات اور شیعہ حضرات کو اپنی طرف متوجہ اور اس طرح ان کے آپسی اختلاف اور افتراق کو دور کیا جاسکتا ہے۔

دوسرا: مامون چالاک کرنا چاہتا تھا کہ امام کو اپنے سے قریب کر کے حکومت کے کاموں میں لگا دے جس سے آپ کے چاہنے والے بدظن اور آپ سے دوری اختیار کرنے لگیں، لیکن امام تو مامون کے شکم کی چیزوں سے بھی باخبر تھے کہ جو حکومت کے لئے اپنے بھائی کو نہ چھوڑے وہ اتنی آسانی سے کسی کو حکومت و ولی عہدی کیسے دے سکتا ہے، لہذا آپ نے ولی عہدی سے بھی انکار کیا لیکن مامون کے شدید اصرار کی بنا پر مجبوراً قبول کرنے کے لئے شرائط کے ساتھ راضی ہو گئے اور فرمایا: ولی عہدی کی شرط یہ ہوگی کہ میں حکومت کے کسی کام میں اور حکام کے رکھنے اور معزول کرنے میں دخالت نہیں کروں گا۔ امام کی اس شرط کا مطلب مامون سمجھ گیا میں نے تو ان کو خوار کرنے کے لئے یہ کام سپرد کیا تھا لیکن یہ تو مزید عزت اور توقیر کا باعث ہو جائے گا، لہذا اب دوسری فکر میں پڑ گیا کہ کیسے امام کو قتل کیا جائے آخر کار آپ کو زہر دے کر شہید کر ڈالا۔

#### واقعہ

ایک شخص بیان کرتا ہے میں نے حضرت امام رضا کو دسترخوان پر سفید و سیاہ غلاموں کے ساتھ بیٹھے غذا تناول فرماتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا: یا بن رسول اللہ! کاش آپ نے غلاموں کو دسترخوان سے الگ اور جدا بیٹھایا ہوتا امام غضبناک ہو گئے اور فرمایا:

خاموش ہو جا، ہمارا خدا ایک، دین ایک، اور ہمارے ماں باپ ایک ہیں ہر شخص قیامت میں اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔

## نویں امام حضرت محمد ابن علی الثقی علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۱۰ رجب یا ۱۹ رمضان سن ۱۹۵ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام علی رضاؑ

والدہ کا نام: جناب سبیکہ خاتون سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۲۵ سال

شہادت: آخر ذیقعدہ سنہ ۲۲۰ ہجری

محل شہادت: بغداد

مدفن: کاظمین

حضرت امام علی رضاؑ نے خدا کے حکم سے اپنے فرزند امام محمد تقیؑ کو منصب امامت کے لئے معین فرمایا<sup>۱</sup>: حضرت امام محمد تقیؑ، اپنے والد ماجد کے بعد منصب امامت پر جلوہ افروز ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک بہت کم تھی اور بلوغ کے حدود میں بھی

<sup>۱</sup> وافی، ج ۳، ص ۸۷ -

<sup>۲</sup> اثبات الہدایۃ، ج ۶، ص ۱۵۵ - ارشاد شیخ مفیدؒ، ص ۲۹۷ -



قدم نہیں رکھا تھا، چونکہ علم و فہم خدا کی طرف سے تھا لہذا لوگوں کی تمام دینی مشکلات کو آسانی حل کرنے پر قادر تھے بسا اوقات آپ سے امتحان کے طور پر دین اسلام کے مشکل مسائل کو دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب کافی و شافی عنایت فرمایا آپ کی علمی صلاحیت ہر طبقے کے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے زباں زد تھی وہ آپ پر تعجب و حیرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، اور عبادت و پرہیزگاری میں اس مقام پر فائز تھے کہ آپ کا لقب ہی تقی ہو گیا تھا اور کثرت جود و سخا کی بنا پر لوگ جواد بھی کہتے تھے۔

### دسویں امام حضرت علی بن محمد النقی علیہما السلام

ولادت با سعادت: ۱۵ ذی الحجہ ۲۱۲ ہجری یا ۲ رجب سنہ ۲۱۲ ہجری

محل ولادت: صریا (مدینہ)

والد کا نام: محمد تقیؑ

والدہ کا نام: سمانہ سلام اللہ علیہا

سن مبارک: ۴۲ سال

وفات: ۲۷ جمادی الثانی یا ۳ رجب ۲۵۴ ہجری

محل شہادت: سامرہ (سرمن رای)

مدفن: سامرہ (سرمن رای)

امام محمد تقیؑ نے خدا کے حکم کے مطابق اپنے فرزند امام علی نقیؑ کو منصب امامت کے لئے منتخب فرمایا اور والد ماجد کی وفات کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال تھی اس کم سنی کے عالم میں آپ منصب امامت و خلافت پر رونق افروز ہوئے، اسی کے ساتھ الہی علوم سے کاملاً بہرہ مند تھے۔ علم و ذکاوت کے اعتبار سے آپ کا کوئی نظیر نہ تھا، حسن اخلاق کثرت علم اور پرہیزگاری اور حد درجہ عبادت کی وجہ سے آپ لوگوں میں بہت زیادہ محبوب تھے۔

متوکل عباسی کو خطرہ محسوس ہوا کہ ایسا نہ ہو کہیں لوگ حضرت امام تقیؑ کے یہاں زیادہ رفت و آمد اور آپ کے اطراف جمع ہو کر حکومت کے لئے کسی دشواری اور خطرے کا باعث بنیں۔ اس وجہ سے آپ کو سن ۲۴۳ ہجری میں مدینہ سے سامرہ بلایا اور اپنے زیر نگرانی قرار دیا حضرت امام علی نقیؑ خلفاء بنی عباس کی سختیوں اور ان کی مصیبتوں پر تحمل و صبر کرتے ہوئے زندگی کے آخری لمحات کو پورا کیا، اور ستائیس جمادی الثانی سن ۲۵۴ ہجری سامرہ میں وفات پا گئے۔

## گیارہویں امام حضرت حسن بن علی العسکری علیہما السلام

ولادت باسعادت: ۸ یا ۴ ربیع الثانی سن ۲۳۲ ہجری

محل ولادت: مدینہ منورہ

والد کا نام: امام علی نقیؑ

والدہ کا نام: حدیث سلام اللہ علیہا

وفات: ۸ ربیع الاول سن ۲۶۰ ہجری

محل وفات: سامرہ (سرمن رانی)

<sup>۱</sup> اثبات الہدات، ج ۶، ص ۲۰۸ - ارشاد مغیدؒ، ص ۳۰۸۔

سن مبارک: ۲۸ سال

مدفن: سامره (سرمن رای)

حضرت امام علی نقیؑ نے خداوند عالم کے حکم سے اپنے فرزند امام حسن عسکریؑ کو منصب امامت کے لئے معین فرمایا امام حسن عسکریؑ بھی اپنے والد ماجد علی نقیؑ کی طرح سامره شہر میں زیر نظر، زندانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے، لوگ آپ سے آزاد ملاقات نہیں کر سکتے، آپ کے علم سے فیض نہیں اٹھا سکتے تھے، ان سختیوں کے باوجود آپ نے اپنی یادگار کے طور پر بہت ساری حدیثوں اور مفید مطالب کو لوگوں کے درمیان چھوڑا جو کتابوں کی زینت بنے ہوئے ہیں، اہل فہم رجوع کر کے اس سے استفادہ کرتے ہیں، آپ کے اخلاق حمیدہ پاک سیرت علم و فضل و پرہیزگاری اور عبادت خدا کی پر مٹھی نہیں ہے۔

## بارہویں امام حضرت محمد بن حسن (صاحب الزمان) علیہ السلام

لادت با سعادت: ۱۵ شعبان سن ۲۵۵ ہجری

محل ولادت: سامرہ (سرمن رای)

والد کا نام: امام حسن عسکری۔

والدہ کا نام: نرجس سلام اللہ علیہا

حضرت امام حسن عسکریؑ نے خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے خلافت و امامت کے لئے اپنے فرزند مہدیؑ کو منتخب فرمایا۔ مہدیؑ، قائمؑ، صاحب الزمان، امام عصرؑ، اور حجتہ اللہ وبقیۃ اللہ وغیرہ آپ کے القاب ہیں۔ بہت زیادہ روایتوں میں حضرت رسول خداؐ سے منقول ہے کہ آں حضرت نے فرمایا: امام حسینؑ کی نسل کی نویں فرد میرا بہنام، مہدیؑ موعود ہوگا، ہر ایک امام نے اپنے زمانہ میں خبر دی ہے کہ ہمارا کونسا فرزند مہدیؑ موعود ہوگا آنحضرتؐ اور آپ کے اہل بیتؑ نے خبر دی ہے کہ امام حسن عسکریؑ کے فرزند مہدیؑ موعود ہیں۔

اور اس کی غیبت بہت طولانی ہوگی جب خدا چاہے گا ان کو ظاہر کرے گا، وہ دنیا کی اصلاح کریں گے اور عدل و انصاف سے دنیا کو بحر دیکھنے پوری زمین پر انھیں کی حکومت ہوگی، اللہ کی توحید اور اس کی عبادت کو پوری دنیا میں پھیلانے کے دین اسلام کو دین حقیقت کے عنوان سے دنیا والوں کے لئے ثابت کریں گے۔ رسول خداؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے فرمان کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ، امام حسن عسکریؑ کو ایک فرزند عطا کرے گا، جس کا نام آنحضرتؐ کے نام پر محمدؑ ہوگا معتبر و معتمد اصحاب نے اس فرزند کو دیکھ کر گواہی دی ہے۔ امام زمانہؑ اپنے والد ماجد کی وفات کے وقت پانچ سال کے تھے، اور امام کے بعد آپ کے جانشین و امام

<sup>۱</sup> اثبات الہدایۃ، ج ۶، ص ۳۵۲ - ارشاد مفیدؑ، ص ۳۲۷۔

ہوئے بنی عباس کے خلفائے جو روایات آنحضرت اور ائمہ طاہرین سے سنا اور پڑھا تھا کہ ایک فرزند امام حسن سے پیدا ہوگا جو مہدی موعود دنیا سے ظلم و جور کو ختم کر کے عدل و انصاف سے بھر دے گا، یعنی ظالموں اور سرکش افراد سے جنگ نیز ظالم حکومتوں کو نیست و نابود کر دے گا، فقط خدا کا دین اور اس کا عدل و انصاف ہوگا ان لوگوں نے جب امام کے مذکورہ تمام علائم اور آثار و نشانیاں دیکھیں تو آپ کے سخت ترین دشمن ہو گئے اور قطعی طور پر فیصلہ کیا کہ حضرت امام مہدی کو قتل کر ڈالیں اور اس خطرہ کو راستہ سے دور کر دیں، انھیں اسباب کے تحت امام لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گئے اور پوشیدہ زندگی گزارنے لگے لیکن لوگوں سے آپ کا رابطہ بالکل منقطع نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ کے خاص نائبین ہوتے تھے جن کے ذریعہ رابطہ برقرار ہوتا، اور وہ ان لوگوں کی مشکلات کو حل فرماتے تھے۔

حضرت امام زمانہ کے خاص نواب چار تھے: ۱۔ عثمان بن سعید ۲۔ محمد بن عثمان ۳۔ حسین بن روح ۴۔ علی بن محمد سمری۔ ان چاروں حضرات میں سے یکے بعد دیگرے امام کی نیابت کے لئے منصوب ہوئے یہاں تک کہ غیبت صغریٰ کے دن تمام ہوئے اور امام زمانہ سے ملاقات کے روابط منقطع ہوئے اور غیبت کبریٰ کا آغاز ہوا۔ ابھی امام زمانہ غیبت کی زندگی بسر کر رہے ہیں لوگوں کے رفت و آمد ان کے اجتماع اور جلسہ میں شرکت کرتے لیکن خود اپنی آشنائی نہیں کراتے میں یہی حال باقی رہے گا یہاں تک کہ آپ کے ظہور کے حالات مساعد اور اسلامی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لئے تمام راہیں ہموار ہو جائیں، اور پوری دنیا کے افراد اس نظام کائنات اور وقتی حکومتوں سے تنگ آکر بس خدا کی حاکمیت اور اس کی حکومت کو چاہنے لگیں، دنیاوی پریڈشانیوں اور ظلم و ستم و برائیوں سے لوگ تنگ آکر فقط خدائی قانون کو سائباں اور اپنی مشکلات کا حل سمجھیں، اس وقت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف، ظہور فرمائیں گے احکام الہی کو نافذ کرنے کے لئے اپنے ساتھ طاقت و قدرت لائیں گے اس کے تحت ظلم و بربریت اور فساد کو نیست و نابود اور پورے جہان کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ ہم شیعیان حیدر کزار کی اس غیبت کبریٰ کے زمانہ میں ذمہ داری ہے کہ ولی برحق کے ظہور کا انتظار اور آپ کے تعجیل ظہور کے لئے دعائیں کریں، قرآن مجید کے اجتماعی احکام اور اس

کے پروگرام کو دنیا کے تمام افراد کو سنائیں، اور اس احکام و قوانین کی بلندی و امتیازات اور اس کے فائدہ کو لوگوں کے سامنے پیش کریں، لوگوں کے ذہن اور ان کے دل و دماغ کو ان احکام کی طرف متوجہ، اور باطل و بے سود خرافاتی عقائد کا ڈٹ کر مقابلہ اور اسلامی و جہانی امام کی حکومت کے لئے (حتی المقدور) تمام اسباب کو فراہم کریں اور دنیاوی مشکلات کو حل کرنے کے لئے قرآن و حدیث سے استفادہ کرتے ہوئے بہترین لائحہ عمل اور پروگرام تیار کریں اور اس کو مبلغین اور صلح و مصالحت کرنے والوں کے ہاتھوں میں دیں تاکہ وہ فکروں کو اندھیرے سے روشنائی کی طرف موڑیں، اور ہم اپنے امام کے ظہور اور آپ کی عدل و انصاف سے پُر حکومت کے لئے آمادہ رہیں۔

ائمہ طاہرین کے متعلق ہمارا عقیدہ

۱: بارہ امام علیہم السلام، ہر طرح کے گناہ اور نیان (بھول چوک) سے معصوم ہیں۔

۲: وہ حضرات خداوند عالم کے تمام احکام و قوانین کو جانتے ہیں اور بہت سی چیزیں (علوم اور اطلاعات) لوگوں کی ہدایت اور انکی راہنمائی کے لئے ضروری ہے خداوند عالم نے ان کے اختیار میں دے رکھا ہے۔

۳: دین اسلام میں کوئی بھی حکم اپنی طرف سے نہیں دیتے اور نہیں کسی نئی چیز کو دین میں شامل کرتے ہیں۔

۴: دین اسلام کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں اور ہر صحیح عقیدہ کا اعتقاد رکھتے ہیں، اخلاق حسنہ سے مزین لوگوں میں بہترین افراد اور اسلام کے کامل شاہکار اور بہترین نمونہ ہوتے ہیں۔

۵: لوگوں کی طرح وہ بھی انسان اور اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں ان کو بھی موت اور بیماری لاحق ہوتی ہے، وہ خدا کی طرح موجودہ چیزوں کو پیدا کرنے والے نہیں ہیں۔

۶۔ ان میں سے گیارہ افراد کو موت آنچلی ہے بارہویں امام، یعنی امام حسن عسکری کے فرزند امام مدی، ابھی زندہ ہیں، ہم ان کے ظہور کا انتظار کر رہے ہیں۔

### شیعہ

جو لوگ حضرت علی ابن ابی طالب کو رسول خدا کا بلا فضل جانشین و خلیفہ مانتے ہیں ان کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ شیعہ امامیہ حضرت علی، اور آپ کے گیارہ معصوم فرزندوں کو امام اور راہنما و رہبر مانتے ہیں اور ان کی رفتار و گفتار میں پیروی کرتے ہیں، اور واقعی شیعہ وہی شخص ہے جو حضرت علی، اور آپ کے معصوم فرزندوں کی اتباع و فرمانبرداری کرے اور ان کے طور طریقے اخلاق و اعمال کو اپنے لئے نمونہ عمل قرار دے، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جابر سے ارشاد فرماتے ہیں: اے جابر! خط اتنا کہہ دینا کہ ہم اہل بیت سے دوستی و محبت رکھتے ہیں کیا شیعہ ہونے کے لئے کافی ہے؟

خدا کی قسم وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے، مگر جو پرہیزگار اور خدا کی اطاعت کرنے والا ہو، اے جابر! پہلے ہمارے شیعہ ان صفات سے پہچانے جاتے تھے تو وضع، امانت داری، خدا کا ذکر، روزہ، نماز، والدین کے ساتھ احسان، پڑوسی، اور ناتوان یتیم و یتیم و قرضدار (اور بے چاروں) کی رکھوالی اور ان کی مدد، صداقت، قرآن کی تلاوت، لوگوں کے متعلق اچھائی کے سوا کچھ نہیں کہتے، اور لوگوں کے لئے امین تھے جابر نے عرض کی یا بن رسول اللہ! اس زمانہ میں کسی کو ان صفات کا حامل نہیں پاتا ہوں فرمایا: اے جابر مختلف راہیں تمہیں حیران و سرگرداں نہ کر دیں اور تم کسی غلطی میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔

انسان کی نجات اور چھٹکارے کے لئے کیا بس یہی کہنا کافی ہے کہ میں علی کو دوست اور ان سے محبت کرتا ہوں اور اللہ کے فرمان پر عمل پیرا نہ ہو؟ اگر کوئی کہے، میں حضرت رسول خدا سے محبت کرتا ہوں اور آں حضرت کے دستور و اخلاق کی پیروی نہ کرے تو کیا رسول خدا کی یہ دوستی اس کو چھٹکارا دلا سکتی ہے؟ ”نہیں“ جب کہ مسلم ہے آنحضرت حضرت علی سے افضل تھے۔

اے شیعو! اللہ سے ڈرو اور اس کے احکام کی اتباع کرو اللہ تعالیٰ کسی سے قربت داری و رشتہ داری نہیں رکھتا ہے، خداوند عالم کے نزدیک با عزت اور سب سے محترم شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار اور اس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنے والا ہو، اے جابر! خدا کی قسم! اللہ سے نزدیکی اور تقرب کے لئے اطاعت و فرماں برداری کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے جہنم سے آزادی دلانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، جو اللہ کا مطیع ہے وہ ہمارا دوست ہے اور جو اللہ کے حکم سے روگردانی و سرپیچی کرے وہ ہمارا دشمن ہے، ہماری ولایت و محبت سوائے عمل صالح اور پرہیزگاری کے حاصل نہیں ہوتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: (اے شیعو) پرہیزگار اور صاحب تقویٰ بنو، اپنے نفس کی اصلاح اور نیک کام (عمل صالح) کی کوشش کرو، حق کہو، امانت دار اور خوش اخلاق ہو جاؤ، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کرو، اپنے اخلاق و عمل سے لوگوں کو دین حق کی طرف دعوت دو، ہماری عزت اور سر بلندی کا باعث بنو، گندے کاموں کے ذریعہ ہماری شرمندگی اور پشیمانی کا سامان فراہم نہ کرو، اپنے رکوع اور سجود کو طول دو اس لئے جب خدا کا بندہ رکوع اور سجدہ کو طولانی کرتا ہے تو شیطان ناراحت ہوتا ہے اور اس حال میں فریاد کرتا ہے اے، وامی یہ لوگ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، لیکن میں نے اللہ کی نافرمانی کی یہ لوگ سجدہ کرتے ہیں اور میں نے سجدہ سے روگردانی کی امام صادقؑ فرماتے ہیں: حضرت عیسیٰؑ کے شیعہ اور حواری لوگ ان کے دوستار تھے، لیکن ان کے دوستار ہمارے شیعوں سے بہتر و افضل نہیں تھے اس لئے کہ ان لوگوں نے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر ان کی مدد نہیں کی اور اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کیا، لیکن ہمارے شیعوں نے حضور اکرمؐ کی وفات کے وقت سے آج تک ہماری مدد کرنے سے انکار نہیں کیا ہے، ہمارے لئے فداکاری و جانثاری کرتے ہیں، آگ میں جلانے گئے، قید و زندان کی سخت سے سخت مصیبتیں برداشت کیں اپنے گھروں سے نکال دئے گئے (شہر بدر کیا) لیکن پھر بھی ہماری مدد و نصرت کرنے سے دریغ نہیں کیا۔<sup>۳</sup>

<sup>۱</sup> وافی، ج ۱، تیسرا حصہ، ص ۳۸۔

<sup>۲</sup> وافی، ج ۱، تیسرا حصہ، ص ۶۰۔

<sup>۳</sup> سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۷۳۔



## مسلمانوں کے متعلق ہمارا عقیدہ

اس حال میں کہ ہم اہل سنت سے مسئلہ خلافت و جانشینی میں اختلاف نظر رکھتے ہیں اس کے باوجود تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی اور ہم مسلک سمجھتے ہیں، اس لئے کہ ہمارا خدا ایکہ ہمارا دین، ایک قرآن اللہ کی کتاب ایک، اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہے۔

ان کی عزت و ترقی کو ہم اپنی ترقی اور سر بلندی جانتے ہیں ان کی کامیابی اور غلبہ کو ہم اپنی کامیابی و تسلط سمجھتے ہیں، ان کے مغلوب اور ذلت و شکست کھانے کو ہم اپنی شکست اور ہستی مانتے ہیں، ہم سب زندہ و مردہ، خوشی و غم اور شادی و بیاہ میں باہم شریک ہیں، اس مسئلہ میں ہم اپنے پہلے امام حضرت علی کی اتباع و فرمانبرداری کرتے ہیں، کہ اگر آپ اپنے شرعی حق کا دفاع اور خلافت کو لینا چاہتے تو لے سکتے تھے لیکن دین اسلام کی مصلحت اور اپنی اصل خودداری اور دیانتداری کو ان پر ترجیح دی، نہ فقط خلفائے جنگ نہ کی بلکہ حساس اور سخت وقت میں نیز ضرورت و مجبوری میں ان کی مدد بھی کرتے رہے اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے سے کبھی بھی دریغ نہیں فرمایا، ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ دنیائے اسلام اس صورت میں ایک زندہ اور طاقتور ملت کے عنوان سے اپنی گزری ہوئی عظمت و شان و شوکت بزرگی و برتری اور اجتہاد کے تحت تسلط رہنے سے نجات حاصل کر سکتی ہے شرط یہ ہے کہ تمام مسلمان اپنے اختلافات و پرالگدگی اور انفرادیت سے دوری اختیار کریں، اور پوری طاقت ایک طرف صرف کر دیں اور سب کی سب دین اسلام کی راہ میں اس کی عظمت و ترقی کے لئے قدم جمادیں۔

## چوتھی فصل

### معاد (قیامت)

#### قیامت

انبیاء و اولیاء اور تمام آسمانی کتابوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ انسان کی زندگی فطرتاً ہی ختم نہیں ہوتی بلکہ اس دنیا کے بعد بھی دنیا پائی جاتی ہے جہاں پر انسان کو اپنے کئے (اعمال و کردار) کا بدلہ ملے گا۔ اچھے لوگ وہاں پر تمام نعمتوں کے ساتھ خوشی خوشی زندگی بسر کریں گے اور بدکردار اور خطاکار افراد سخت دردناک عذاب میں گرفتار رہیں گے قیامت آسمانی تمام ادیان کی ضروریات میں سے ہے اور اصل قیامت مرنے کے بعد کی دنیا کو کہا جاتا ہے جو شخص بھی انبیاء کو مانتا اور ان کی بتائی ہوئی چیزوں پر ایمان رکھتا ہے اس کو معاد پر یقین و اعتقاد رکھنا ضروری ہے، ہم اس مطلب کو ثابت کرنے کے لئے دو آسان دلیلوں کو بیان کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: اگر مندرجہ ذیل مطالب پر توجہ کریں گے، تو آپ کے لئے قیامت کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

۱: دنیا میں کوئی بھی کام بغیر مقصد کے نہیں ہوتا ہے اور جو شخص بھی کسی کام کو انجام دے اس کا بھی ایک ہدف ہوتا ہے اور ہدف و مقصد وہ چیز ہے جو انسان کو اس کام کی طرف آمادہ اور چلنے کے لئے تیار کرتا ہے لہذا انسان اس مقصد کے حصول کے لئے دل جمعی کے ساتھ پوری کوشش صرف کر دیتا ہے۔

۲: یہ صحیح ہے کہ کوئی کام بغیر ہدف و مقصد کے نہیں ہوتا، لیکن تمام مقاصد و اہداف بھی تو برابر نہیں ہوتے ہیں بلکہ کرنے والے اور خود اس کام کی موقعیت ہدف میں تفریق و جدائی کا باعث بنتی ہے۔ پس جس قدر فاعل صاحب علم و کمال اور باتدبیر ہوگا

ویسا ہی اس کا ہدف بھی بلند اور پراہمیت ہوگا لہذا جو بچہ کھیلتے وقت اپنا ہدف رکھتا ہے ویسا ہدف عالم و انجینیر اور سمجدار نہیں رکھ سکتا ہے۔

۳: جب بھی انسان کوئی کام انجام دیتا ہے تو اس کی پوری کوشش و توجہ نتیجہ کے کمال پر ہوتی ہے، کہ کسی طرف سے اس نتیجہ پر حرف نہ آئے اگر وہ غرض و غایت نقائص سے محفوظ ہے تو یہی اس کا کمال ہے، مثال کے طور پر ہم بھوک کے احساس پر کھانا کھاتے ہیں اور بھوک کا احساس جو نقص ہے کھانے سے ہم اس نقص کو برطرف کرتے ہیں، لیکن خدا کے کاموں میں یہ مطلب درست نہیں ہے اس لئے کہ یہاں پر فعل کے انجام کا فائدہ خود اس کی ذات کی طرف لوٹ کر نہیں آتا ہے، بلکہ خدا کے خلق و پیدا کرنے کا فائدہ خود اس کی مخلوق کی طرف پلٹ کر جاتا ہے جیسے خدا نے ہم کو پیدا کیا اور ہم نے نماز پڑھی نماز کا فائدہ خود ہماری ہی طرف واپس آتا ہے نہ کہ خدا کی طرف لوٹ کر جاتا ہو، اس لئے کہ خدا کی ذات میں کمی و نقص نہیں پایا جاتا کہ وہ اپنی کمی کو برطرف اور اپنے نقص کو دور کرنے کے لئے کسی کام کو انجام دے اس بنا پر ہمارا یہ کہنا درست ہے کہ انسان کے اپنے اعمال کا فائدہ خود اس کی طرف واپس آتا ہے کیونکہ یہاں پر کام اور عمل سے مراد مقصد کو پورا کرنا یا فائدہ اٹھانا نہیں ہے بلکہ فائدہ پہنچانا اور کامل کرنا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

من نکردم خلق تا سودی کنم

بلکہ تا بر بندگان جودی کنم

میں نے فائدہ حاصل کرنے کے لئے تمام چیزوں کو پیدا نہیں کیا ہے بلکہ ان کو فائدہ پہنچانے کے لئے پیدا کیا ہے خداوند عالم نے انسان کے جسم کو بہترین طریقے اور بہت ہی نفاقت اور نہایت باریک بینی سے خلق فرمایا ہے۔ لہذا عقلا اس میں جتنا غور و

نوخ کرتے ہیں اتنے ہی عجیب و غریب چیزوں سے دوچار، اور متحیر رہ جاتے ہیں، ہاں یہ کہنا درست ہے کہ خداوند عالم حکیم ہے کہ جس نے انسان کے معمولی بدن میں پوری دنیا کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے (یعنی کوزے میں دریا کے مانند انسان کے چھوٹے سے بدن میں وسیع و عریض دنیا کے نظام سے زیادہ باریک نظام کو محدود، محال کو ممکن، کر دیا ہے جس کی تعمیر حضرت علی یوں فرماتے ہیں: اترعم انک جرم صغیر و فیک انطوی العالم الاکبر۔ پانی، مٹی، گھاس، حیوان، سورج، ستارے، چاند اور تمام موجودات کو انسان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور ان کے علاوہ انسان کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہزاروں تعجب آمیز رازوں کو دنیا میں پوشیدہ کر رکھا ہے تاکہ اپنی فلاح و بہبود کے لئے اس تک دست رسی پیدا کرے اور اس عظیم ترین پروردگار کے خزانہ سے استفادہ کرتے ہوئے حقیقت دنیا پر حکمرانی کرے۔

مذکورہ مطالب سے سمجھ میں آتا ہے کہ خداوند حکیم نے انسان کے جسم کو نہایت تعجب آمیز رازوں پر مشتمل شریف ترین مخلوق قرار دیا ہے اور اسی انسان کے لئے نظام کائنات کو مسخر کر رکھا ہے، فقط اس لئے کہ انسان ایک معمولی موت کے لئے یہاں پر رہے! اور اس کی بے اتہا نعمتوں سے استفادہ کرے اور مر کر فنا ہو جائے؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا خدا کا پیدا کرنا غیر عاقلانہ اور حکیمانہ کام نہ ہوگا آپ کی عقل اصلاً ایسا فیصلہ اور ایسی چیزوں پر بھروسہ نہیں کر سکتی ہے، بلکہ عقل تو خدائے حکیم کو بے غرض اور بحث کاموں سے منزہ و مبرا سمجھتی ہے، پس نتیجہ میں انسان کا مر کر فنا ہونا اس کے پیدائش کا مقصد و ہدف نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ انسان کی تخلیق کا مقصد کمال ہے اگر موت کے بعد انسان کامل نہ ہو بلکہ فنا ہو جائے تو فنا خود بھی تو ایک نقص ہے پھر انسان کی اپنی آخری منزل کمال کیا ہوگی؟ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی تنک یا راحت اچھی یا خراب زندگی آرام یا مصیبت میں گزار دے اور سب کا ایک ہی حشر نابودی اور فنا ہو۔

ہماری عقل کہتی ہے خداوند عالم کی ذات لوگوں کی محتاج نہیں ہے اور کسی فائدہ کے تحت ان کو نہیں پیدا کیا ہے اور اس سے کوئی لغو و بے فائدہ کام بھی صادر نہیں ہوتا ہے مجبوراً کہنا پڑے گا کہ خدا نے انسان کو کسی بلند ہدف اور قیمتی مقصد کے لئے خلق فرمایا

ہے، اور اس انسان کی زندگی کو چار دن میں منحصر نہیں کر رکھا ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد انسان کی زندگی تمام ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے اعمال ختم ہوتے ہیں، بلکہ سب خدا کے نزدیک محفوظ ہے۔ ہماری عقل کہتی ہے: (اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہونی چاہیے) اس چھوٹی اور مصیبت و رنج و الم سے بھری ہوئی دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا ہونی چاہیے تاکہ انسان کے لئے آرام و آسائش کا پیش خیمہ ہو، خدا کا مقصد (انسان کے خلق کرنے کا) یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں ترقی اور معنوی کمالات اور سعادت مندی کے تمام وسائل کو فراہم کرے تاکہ مرنے کے بعد ہمیشہ رہنے والی زندگی آخرت میں تمام ناز و نعمت کے ساتھ خوشی خوشی گزارے!۔ دوسری دلیل: بعض افراد (انسان) نیک اور صالح ہیں، لوگوں کے لئے خیر خواہ اور بھلائی چاہتے ہیں، اور کمزوروں کی مدد کرتے ہیں، اور یتیموں کے ساتھ مہربانی اور ناپاچار و مجبور افراد پر احسان کرتے ہیں، ان کے اخلاق اچھے، جھوٹ نہیں بولتے، بلاوٹ نہیں کرتے، اور کسی کے ساتھ ظلم و ستم کو جائز نہیں سمجھتے، لوگوں کے مال کو ناحق نہیں لیتے، نماز پڑھتے ہیں روزہ رکھتے ہیں اپنے واجبات پر عمل کرتے ہیں، اور گناہوں سے خودداری کرتے ہیں۔

دوسرے افراد: برے اور نالائق ہیں اپنے جیسے افراد پر ظلم و ستم دوسروں کے حقوق کو غصب، بد اخلاق، چھوٹے اور ہر ایک کی امانت میں خیانت کرتے ہیں، خدا کے واجب امور کو انجام نہیں دیتے، نماز و روزہ سے کوئی مطلب نہیں رکھتے ہیں اور گندے برے کاموں (یعنی حرام کے ارتکاب) سے نہیں ڈرتے حیوانوں کی طرح رات و دن ظلم و زیادتی اور شہوت پرستی میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ دو طرح کے افراد قطعی طور پر موجود ہیں، لیکن دنیا میں اپنے اعمال کی اصلاح کوئی سزا یا جزا نہیں پاتے۔ مصیبت کار ہیں ہر طرح کی ناز و نعمت میں زندگی بسر کر کے دنیا سے چلے گئے اور اپنے اعمال کی کوئی سزا نہیں پائی۔ اور بہت سے لوگوں کو نیک و صالح پاتے ہیں لیکن وہ بچارے نہایت سختی پریشانی، تنگی اور مصیبت میں زندگی بسر کرتے ہیں، مگر اپنے کئے اعمال کی کوئی جزا نہیں دیکھتے۔ کیا اس دنیا کے علاوہ کوئی دوسری دنیا نہیں ہونی چاہیے کہ جہاں پر اچھے اور برے کاموں کا حساب اور اس پر

<sup>۱</sup> خداوند عالم نے قرآن میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: (أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ) تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں یوں ہی بے فائدہ اور بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہمارے حضور میں لوٹائے نہیں جاؤ گے۔ مومنون (۲۳) آیت ۱۱۵۔

جزا و سزا مرتب ہو نیک افراد کو اچھا بدلہ اور بد کردار کو اپنے کئے کی سزا دی جائے؟ اگر انسان کی عمر اس دنیا میں یوں ہی ختم ہو جائے اور اس کے نامہ اعمال میں صنائع ہو جائیں، تو کیا انسان کا پیدا جانا عبث اور عدالت کے خلاف اور حکمت خدا کے مخالف نہیں ہوگا؟ کیا آپ کی عقل قبول کرے گی کہ اچھے فرمانبردار اور بد کردار و تباہ کار مساوی و برابر ہو جائیں اور ان کے درمیان حساب و کتاب کے ذریعہ تفریق و جدائی نہ ہو؟ کیا ایسے فضول کام کو اللہ کی طرف نسبت دینا درست ہوگا؟ اگر قیامت نہ ہو، انبیاء کا بھیجنا اور اللہ کا امر و نہی کرنا، نامعقول اور بے بنیاد نہیں ہوگا ان کاموں کا حساب و کتاب اور ثواب و عتاب نہ ہو تو لوگ کیونکر اللہ اور رسول کی اطاعت و فرماں برداری کریں گے؟

### موت

موت یعنی جسم اور روح کی جدائی و مفارقت کا نام ہے، اسلام ہم سے کہتا ہے انسان فقط موت سے ختم نہیں ہوتا بلکہ موت کے ذریعہ انسان ایک دنیا سے دوسری دنیا کی طرف منتقل ہوتا ہے یعنی (موت) ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف لوٹتا ہے، پیغمبر اکرم نے فرمایا: تم فنا ہونے کے لئے پیدا نہیں کئے گئے بلکہ حیات جاودانی یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس دنیا سے دوسری دنیا کی طرف منتقل ہونا ہے<sup>۱</sup> اسلامی نکتہ نظر سے ہر ایک روح، جسم سے مساوی اعتبار سے جدا نہیں ہوتی ہے بلکہ جو لوگ گنہگار ہیں اور اس دنیا سے زیادہ دل لگا رکھا ہے، اور اس دنیا سے (آخرت) غافل اور غیر مانوس ہیں ان کی روح بہت سختی اور دشواری سے نکلتی ہے، لیکن جو حضرات اچھا کام (عمل صالح) کرتے ہیں اور خاص کر موجودہ دنیا کی طرف رجحان و میلان نہیں رکھتے اس دنیا (آخرت) کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے انسیت اور الفت زیادہ رکھتے ہیں وہ لوگ بہت ہی آرام و اطمینان سے اس زندگی سے نجات پا جاتے ہیں<sup>۲</sup>۔

<sup>۱</sup> خداوند عالم قرآن مجید میں اس مطلب کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے (ام نجعل المتقین کالفجار) کیا ہم پرہیزگاروں کو مثل بدکاروں کے بنادیں؟ ص ۳۸، آیت ۲۸۔

<sup>۲</sup> بحار الانوار، ج ۶، ص ۲۴۹۔

<sup>۳</sup> بحار الانوار، ج ۶، ص ۱۴۵۔

## برزخ

مرنے کے بعد کی زندگی کو ہماری عقل تصدیق کرتی ہے لیکن وہاں پر کیسی اور کس طرح کی زندگی ہوگی اس چیز کو ہماری عقل راہنمائی (درک) نہیں کرتی، یہاں پر ہم مجبور ہیں کہ قرآن پاک اور پیغمبر کے ارشادات اور ائمہ اہل بیت کی حدیثوں سے استفادہ کریں۔ قرآن مجید اور حضور اکرمؐ اور آپ کے اہل بیت کی حدیثوں سے استفادہ ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے (تمام لوگوں کے اٹھائے جانے سے پہلے) ایک دوسری دنیا موجود ہے جس کا نام ”برزخ“ ہے جو کہ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک واسطہ اور رابطہ کی حیثیت سے موجود ہے، جب انسان کی موت آتی ہے تو برزخ کے ابتدائی مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں پر ایک مخصوص طرح کی زندگی بسر کرتا ہے اس معنوی اور پوشیدہ زندگی کی ابتدا قبر ہے کہ جو معمولی سوال و جواب سے شروع ہوتی ہے جس میں کئی اعتقادات اور اعمال کے مسائل پوچھے جاتے ہیں اگر عقیدہ صحیح اور عمل و کردار اچھے ہیں تو جنت کا ایک دروازہ اس پر کھول دیا جاتا ہے تاکہ وہ جنت کی نعمتوں سے استفادہ کرتا رہے قیامت آنے کے انتظار اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے شوق میں منتظر رہتا ہے اگر کوئی بد کردار اور باطل عقیدہ رکھنے والا ہو تو اس پر جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور قیامت تک وہ اسی طرح عذاب میں ناگوار و تلخ زندگی بسر کرتا رہتا ہے اور دوزخ کے سخت عذاب اور قیامت آنے کے خوف سے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔<sup>۱</sup>

”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَعْرِفُونَ“<sup>۲</sup> اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں کبھی مردہ نہ کہنا بلکہ (وہ لوگ) زندہ ہیں مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔ ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ“<sup>۳</sup> اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے

<sup>۱</sup> خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ”وَمِنْ وَرَاءِهِمْ بَرْزَخٌ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ“ سورہ مومنون (۲۳) آیت ۱۰۰ ان کے ”مرنے کے“ بعد ”عالم“ برزخ ہے اس دن تک کہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

<sup>۲</sup> سورہ بقرہ آیت ۱۵۴

<sup>۳</sup> سورہ آل عمران آیت ۱۶۹

یہاں سے روزی پاتے ہیں۔ قال النبی: ”إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَأَبْعَدُ أَيْسَرُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَأَبْعَدُ لَيْسَ أَقْلُ مِنْهُ“<sup>۱</sup> آخرت کی پہلی منزل قبر ہے جو شخص یہاں نجات پا جائے اس کے لئے بعد کا کام آسان ہو جائے گا اور جو شخص یہاں نجات نہ پاسکے پس تو عذاب اس کے بعد اتنا آسان نہیں۔ قال علی ابن الحسین: ”إِنَّ الْقَبْرَ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حَفْرَةٌ مِنْ حُفْرِ النَّارِ“<sup>۲</sup> حضرت علی ابن حسین نے فرمایا: قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھ ہے۔

### قیامت اور لوگوں کا قبروں سے نکلنا

قرآن مجید اور پیغمبر اسلام نیز آپ کے اہل بیت کی حدیثوں میں قیامت کی اس طرح توصیف و تعریف بیان کی گئی ہے چاند، سورج تاریک ہو جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے، دریا بغیر پانی کے جلنے لگے گا، منظومہ نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا، زمین و آسمان بدل کر دوسری صورت اختیار کر لیں گے اس وقت تمام مردے زندہ کئے جائیں گے، پس لوگ حساب و کتاب کے لئے حاضر ہوں گے، لوگوں کے تمام اعمال و حرکات خدا کے نزدیک محفوظ کتابوں میں لکھا موجود ہے، ان کے معمولی کردار و افعال غفلت و فراموشی کا شکار نہیں ہوں گے، قیامت کے دن لوگوں کی آنکھوں سے پردے ہٹا دئے جائیں گے، لوگ اپنے اعمال اور کردار کو حضوراً مشاہدہ کریں گے، اس وقت اعمال کا حساب شروع ہوگا اور بہت گہرائی اور نہایت دقت سے اس کی پوچھ تاچھ کی جائے گی کافر اور گنہگار جو بخشش کے لائق نہیں ہیں، ان کو جہنم میں بھیجا جائے گا اور نیک و صالح افراد جنت کی طرف جائیں گے اور وہ گنہگار جن میں بخشش کی صلاحیت موجود ہوگی، یعنی انھوں نے برزخ میں جہنم کا عذاب برداشت اور اپنے برے اعمال کا مزہ چکھا ہے انبیاء اور ائمہ اطہار کی شفاعت کے نتیجہ میں مورد غفو و بخشش قرار پائیں گے، یعنی نور جلال پروردگار عالم ان کے گناہوں کی تاریکی کو ختم کر کے جنت میں بھیج دے گا۔ صاحب ایمان اور نیک کام کرنے والوں کا حساب آسانی سے لیا جائے گا اور بہت جلدی وہ جنت میں چلے جائیں گے لیکن کفار اور بہت سارے گنہگار افراد کا سخت حساب اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے متعلق

<sup>۱</sup> بحار الانوار - ج ۶، ص ۲۱۴ اور ص ۲۰۲ - ۲۸۲۔



سختی سے پوچھا جائے گا، تاکہ زیادہ دیر وہ محشر میں کھڑے رہیں، اور نہایت سختی اور ناراحتی کے ساتھ حساب کے متعدد موارد کو سر کرتے رہیں۔

### جنت

جنت: وہ جگہ ہے جہاں پر نیک و لائق افراد کو لے جائیں گے، مختلف انواع و اقسام کی نعمتیں عیش و آرام کے ساتھ رہنے کے تمام اسباب و وسائل وہاں پر موجود ہوں گے۔ جس چیز کا بھی انسان تصور (خیال میں لائے) کرے اور اس کو چاہیے موجود ہوگی جنت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے بہتر و عالی ہیں ان جیسی چیزوں کے متعلق انسان نے کبھی دیکھا اور نہ سنا ہے، کسی طرح کی کوئی سختی اور پریشانی وہاں نہیں ہے، جو شخص بھی جنت میں داخل ہوا ہمیشہ رہنے والی زندگی سے سرفراز ہوگا جنت کے بھی مختلف مراتب ہیں، جو جس طرح کے عمل خیر اور فضائل و کمالات کا حامل ہوگا ویسے ہی جنت کے درجے میں رہے گا۔<sup>۱</sup>

### جہنم

جہنم: وہ جگہ ہے جہاں کفار، گنہگار اور خطاکار رہیں گے ہر طرح کی سختی و عذاب وہاں پر ہے، جو لوگ وہاں جائیں گے بہت زیادہ سختی و عذاب میں گرفتار ہوں گے، جہنم کا عذاب اس قدر مشکل ہے کہ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، جہنم کی آگ صرف جسم کو نہیں جلاتی ہے بلکہ روح اور اس کے دل کو بھی جلا ڈالے گی، انسان کے اندر سے ہی پھوٹے گی اور پورے بدن میں پھیل جائے گی۔<sup>۲</sup> اہل دوزخ کے دو گروہ ہیں پہلا گروہ: اُن کفار کا ہے جو ایمان اور عبادت سے بالکل عاری ہیں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس جہنم میں عذاب کو برداشت کریں گے ان کے نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ دوسرا گروہ: وہ لوگ جو خدا کی عبادت کرتے ہیں اپنے ایمان کی کمزوری کی بنا پر مصیبت کے مرتکب ہوئے اور جہنم کے مستحق قرار پائے، یہ گروہ چند مدت کے لئے جہنم میں رہے گا اور آخر کار نور خدا تارکیلی گناہ کو جلا

<sup>۱</sup> بحار الانوار، ج ۷، ص ۵۴ - ۲۳۷۔

<sup>۲</sup> سورۃ زخرف (۴۳) آیت ۷۱

<sup>۳</sup> ر - ک - بحار الانوار، ج ۸، ص ۷۱ - ۳۲۲۔

<sup>۴</sup> ہمزہ (۱۰۴) آیت ۶۔

کر خاکستر کر دے گا، اس کے بعد ائمہ اور پیغمبر کی شفاعت کے طفیل بہشت میں داخل ہوں گے۔ جہنم کے بھی مراتب پائے جاتے ہیں جہاں پر ہر مرتبہ کے مطابق عذاب کی صورت پائی جاتی ہے ہر شخص کو اس کے گناہ کے مطابق جہنم کے طبقہ میں قرار دیں گے کہ جس میں وہ اس عذاب کا مزہ چکھے گا۔

### شفاعت

شفاعت کا مسئلہ قرآن مجید میں بھی نازل ہوا ہے اور نبی اکرم و اہل بیت سے کثرت سے روایتیں اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں، اور وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ کسی صورت سے شفاعت کے مسئلہ سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ حضرت رسول خدا اور ائمہ بعض گنہگاروں کی شفاعت کرائیں گے اور کہیں گے پروردگار درست ہے کہ یہ شخص گنہگار اور متحق عذاب ہے لیکن فلاں خوبی کی وجہ سے تو خود اپنی بزرگواری اور جو عزت کرامت ہم تیری بارگاہ میں رکھتے ہیں آرزو مند ہیں کہ اس کے گناہوں سے چشم پوشی فرما اور بخشش کے قلم سے اس کے گناہ کے عمل کو محو کر دے، ان کی درخواست قبول کی جائے گی اور وہ شخص خدا کی رحمت اور اس کی نعمت میں شامل ہو جائے گا، روایت و آیات کی رو سے شفاعت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن چند نکات کی طرف توجہ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ شفاعت کرنے والے بغیر خدا کی مرضی اور اس کے حکم کے شفاعت نہیں کریں گے۔

۲۔ قیامت میں حساب و کتاب کے بعد شفاعت کی منزل ہے، یہ تو اس وقت کا معاملہ ہے، جب حساب و کتاب تمام ہو جائے اور نامہ اعمال دیکھ کر اس طرف یا اس طرف بھیجنے کا موقع آ پہنچا ہو تو شفاعت کرنے والے کہیں گے کہ اس کو معاف کر دو خداوند عالم قبول کر لے گا اور یہ جنت میں چلے جائیں گے لیکن برزخی دنیا میں شفاعت کی دور دور تک کوئی خبر نہیں ہے۔

۳۔ خود شفاعت کرنے والوں نے فرمایا: تم کوشش کر کے محشر میں انسان کی صورت میں آنا تاکہ ہم تمہاری شفاعت کر سکیں، اس بنا

پر اگر گناہوں کے سبب اس کی یہ صورت بدل کر حیوانوں کی صورت میں وارد محشر ہوئے تو اس کے لئے شفاعت کا دروازہ بند ہے، بہر حال ضروری ہے کہ حداقل شفاعت کی صلاحیت و لیاقت لے کر محشر میں پہنچے۔

۴۔ شفاعت کرنے والے (ائمہ اطہار) نے بعض معصیت کے متعلق خاص طور پر فرمایا ہے جیسے نماز کو ترک کرنے والوں کو میری شفاعت شامل نہیں ہوگی۔

۵۔ مذکورہ مطالب سے سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کو فقط شفاعت کے وعدہ پر مغرور ہو کر گناہوں کا مرتکب نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ جو شخص شفاعت کی امید میں گناہ کو انجام دے وہ اس شخص کے مانند ہے جو دو اور ڈاکٹر پر بھروسہ کر کے زہر کھالے اور اپنے کو ہلاکت کے گھاٹ اتار دے۔

### توبہ

قرآن کی آیات اور اہل بیت اطہار کے اقوال سے استفادہ ہوتا ہے کہ گناہ گار اپنے مرنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے کئے پر شرمندہ اور نادم ہو جائے تو اس کے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں اور پھر ان گناہوں کے متعلق اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی<sup>۱</sup>۔ اس بنا پر تمام گنہگاروں کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے لیکن ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ (استغفر اللہ) زبان پر آیا اور آنکھ مل کر ایک قطرہ آنسو پکپکایا سمجھ گئے توبہ قبول ہو گئی اور خدا کی رحمت و نعمت میں شریک ہو گئے۔ مگر معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقی توبہ کے اپنے خاص شرائط پائے جاتے ہیں، حضرت علی نے اپنی فرمائشات میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں: توبہ میں چھ چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ اپنے گزشتہ گناہوں پر واقعا پشیمان و شرمندہ ہو۔

<sup>۱</sup> وافی، ج ۱، تیسرا حصہ، ص ۱۸۳۔

۲۔ قطعی ارادہ کرے کہ کبھی اس گناہ کو دوبارہ انجام نہیں دے گا۔

۳۔ اگر تم پر لوگوں کا حق ہے تو پہلے اسے ادا کرو۔

۴۔ جن واجبات کو چھوڑ رکھا ہے اس کو انجام دو۔

۵۔ اور جو تمہارے بدن میں حرام کھانے سے گوشت وغیرہ بنا ہے پہلے غم و الم کی وجہ سے اسے پکھلاؤ۔

۶۔ جس طرح گناہوں سے لذت اٹھائی ہے ویسے ہی عبادت کی تلخی اور دشواری کو برداشت کرو۔ اس وقت کلمہ ”اَسْتَغْفِرُ اللہ“

کو اپنی زبان پر جاری کرو۔

## پانچویں فصل

### اخلاق

#### اخلاق

اچھے اور برے صفات کو اخلاق کہتے ہیں: اچھے صفات: ان صفات کو کہا جاتا ہے جو انسان کی افضلیت و کمال کا باعث بنیں، جیسے عدالت، تواضع، خدا پر بھروسہ، بردباری، لوگوں کے لئے اچھائی چاہنا، لوگوں کے ساتھ اچھا گمان رکھنا، سچ بولنا، امانتداری خدا کی مرضی پر راضی رہنا، خدا کا شکر، خوش اخلاقی، قناعت، سخاوت، بہادری، دین میں غیرت، ناموس میں غیرت انصاف، صلہ رحم، والدین کے ساتھ احسان، پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ، لوگوں کے ساتھ میل محبت، اپنے کو لئے دے رہنا، اللہ سے محبت رکھنا، ہر مسلمان پر واجب ہے، اچھے صفات نیک اخلاق کو پہچانے اور ان صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

برے صفات: ان صفات کو کہتے ہیں جو انسان کی پستی اور ذلت کا سبب واقع ہوتے ہیں جیسے تکبر (اپنے کو بڑا سمجھنا) فحش اپنے کو چاہنا صرف اپنی تعریف کرنا، ظلم و ستم، اللہ پر بھروسہ نہ رکھنا، صبر نہ ہونا، لوگوں کو پست ٹھار کرنا، لوگوں کیلئے برا چاہنا، خدا سے راضی نہ رہنا، کینہ و حسد، ناشکری، نامی و پختلوری، غصب کرنا، غصہ کرنا، لالچ، جس چیز کا مستحق نہیں اس کی خواہش کرنا، طمع، کجھوسی، دیکھا وے کے لئے کام کرنا، منافقت، دوسرے کے مال میں خیانت، فضول خرچی کرنا، دین اور ناموس میں بے حیائی، بے غیرتی، صلہ رحم کا ترک کرنا، والدین کو اذیت و رنج پہنچانا، پڑوسیوں کو تنگ کرنا، لوگوں کے ساتھ برا سلوک بدگوئی، چاپلوسی، منصب کی خواہش، عیب تلاش کرنا، لمبی خواہش۔

ہر مسلمان کیلئے بری خصلتوں کا جاننا ضروری ہے اگر سعادتمندی و نیک بنی چاہتا ہے تو کوشش کرے ان صفات سے اپنے نفس کو دور رکھے، اچھے طریقہ سے اپنے نفس کی اصلاح اور حفاظت کرے کہ کہیں یہ گندے صفات اس میں داخل نہ ہو جائیں، اسلام کے

احکام کی پابندی اور اچھے اخلاق سے اپنے کو مزین کرے اخلاقیات، دین اسلام کا ایک جز ہے اور اسلام نے اخلاقی مسائل پر بہت توجہ دی ہے، حضرت رسول خدا نے نفس کے ساتھ جہاد (جنگ) کرنے کو سب سے بڑا جہاد کہا ہے آنحضرت نے فرمایا:

: میں مبعوث برسالت ہوا ہوں تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کروں کیونکہ انسان کے تمام کام خود اس کے نفس ہی سے صادر ہوتے ہیں اس لئے سب سے پہلے اس کی اصلاح اور پاک کرنے کی کوشش کرے۔

<sup>۱</sup> وسائل الشیعة، کتاب الجہاد، ص ۱۲۲۔  
<sup>۲</sup> المحجة البيضاء، فیض کاشانی، ج ۲، ص ۳۱۲۔

## چھٹی فصل

### فروع دین

#### فروع دین

خداوند عالم نے ہماری زندگی کو صحیح راہ پر لگانے کے لئے خاص دستور العمل کو معین فرمایا ہے کہ اگر ہم اس پر عملی اعتبار سے پابند ہو جائیں تو ہماری دنیاوی زندگی بہترین اور بوجہ احسن گذرے گی، نیز آخرت میں بھی سعادت مند اور نجات یافتہ رہیں گے، ایسے احکام و قوانین کو فروع دین کہتے ہیں، فروع دین تو بہت زیادہ ہیں لیکن جن کا جاننا نہایت ضروری ہے ہم ان کو یہاں پر اجمالاً بیان کر رہے ہیں۔ ان میں سے مهم ترین فروع دین آٹھ ہیں: نماز، روزہ، زکوٰۃ، خمس، حج، جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

#### نماز

واجب نمازیں چھ ہیں: ۱۔ نماز پنجگانہ۔

۲۔ نماز آیات (سورج گھٹن و چاند گھٹن)

۳۔ نماز میت۔

۴۔ نماز طواف۔

۵۔ وہ نمازیں جو قسم و نذر وغیرہ کی وجہ سے انسان اپنے اوپر واجب کر لے۔

۶۔ نماز قضاء والدین (جو نمازیں نافرمانی کی وجہ سے ترک نہ کی ہو بلکہ قضا کرنا چاہتا تھا لیکن اس کو انجام نہ دے سکا ہو) اس کی قضا انجام دینا بڑے فرزند پر واجب ہے۔

نماز ہجگانہ: نماز دین کا ستون ہے، بندے کو خدا سے نزدیک کرتی ہے آنحضرت نے فرمایا: خدا کی قسم میری شفاعت نماز کو (حقیر) معمولی سمجھنے والے اور ترک کرنے والے کو نہیں پہنچے گی۔ تمام مسلمانوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھنا واجب ہے، صبح کی دو رکعت، ظہر کی چار رکعت، عصر کی چار رکعت، مغرب کی تین رکعت، اور عشا کی چار رکعت۔

اوقات نماز: نماز صبح کا وقت، صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے کے وقت تک ہے۔ نماز ظہر و عصر کا وقت سورج کے زوال سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ نماز مغرب و عشا سورج ڈوبنے (مغرب) سے لے کر آدھی رات تک ہے آدھی رات جو تقریباً گیارہ بجکر ۱۵ منٹ پر ہوتی ہے۔

#### وضو

وضو کا طریقہ: ۱۔ پہلے نیت کرے کہ خدا کی خوشنودی کے لئے وضو انجام دیتا ہوں قربۃ الی اللہ۔

۲۔ چہرے پر بال اگنے کی جگہ سے ٹھڈی کے آخری حصے تک۔

۳۔ داہنے ہاتھ کو کہنی سے لے کر انگلیوں کے آخری سرے تک (یعنی اوپر سے نیچے کی طرف) دھوئے۔

۴۔ بائیں ہاتھ کو کہنی سے لے کر انگلیوں کے آخری سرے تک (یعنی اوپر سے نیچے کی طرف) دھوئے۔

۵۔ داہنے ہاتھ کی تری سے، سر کے اگلے حصہ پر اوپر سے نیچے کی طرف کھینچے۔



۶۔ اور داہنے ہاتھ کی ہچی ہوئی تری سے داہنے پیر کی انگلیوں سے لے کر پیر کے ابھار تک کھینچے۔

۷۔ بائیں ہاتھ سے بائیں پیر کی انگلیوں سے لے کر پیر کے ابھار کی جگہ تک کھینچے۔

## اذان<sup>۱</sup>

ناز سے پہلے اذان کہنا مستحب ہے، اس کی ترتیب یہ ہے: اللہ اکبر ۴ مرتبہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ ۲ مرتبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ ۲ مرتبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن عبد اللہ، اللہ کے رسول ہیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ ۲ مرتبہ ناز کے لئے جلدی کرو۔ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ۲ مرتبہ کامیابی کے لئے جلدی کرو۔ حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ ۲ مرتبہ بہترین عمل کے لئے جلدی کرو اللہ اکبر ۲ مرتبہ خدا اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کی توصیف کی جائے۔ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ ۲ مرتبہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

## اقامت

ناز کے لئے اذان کے بعد اقامت کہنا مستحب ہے اس کی ترتیب یہ ہے: اللہ اکبر ۲ مرتبہ خدا اس سے بزرگ و برتر ہے کہ اس کی توصیف کی جائے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ ۲ مرتبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللہ ۲ مرتبہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوۃ ۲ مرتبہ ناز کے لئے جلدی کرو حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ۲ مرتبہ کامیابی کے لئے جلدی کرو حَيَّ عَلَى خَيْرِ الْعَمَلِ ۲ مرتبہ بہترین عمل کے لئے جلدی کرو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ۲ مرتبہ ناز قائم ہو گئی۔ اللہ اکبر ۲ مرتبہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ لَا اِلَهَ اِلَّا اللہ ۲ مرتبہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

<sup>۱</sup> مراجع تقلید نے کہا ہے کہ ”اَشْهَدُ اَنْ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ“ (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی تمام لوگوں پر اللہ کے ولی ہیں) اذان و اقامت کا (جز) حصہ نہیں ہے، لیکن ”اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ“ کے بعد ”اَشْهَدُ اَنْ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ“ بقصد تبرک و تیمن کہنا بہتر ہے۔ (توضیح المسائل مسئلہ ۹۱۹)

## ناز پڑھنے کا طریقہ

ناز میں چند چیزوں کا انجام دینا ضروری ہے: ۱۔ نیت: قبلہ رخ کھڑے ہونے کے بعد (قصد) نیت کریں میں دو رکعت ناز صبح پڑھتا ہوں واجب قربۃ الی اللہ۔

۲۔ تکمیلۃ الاحرام: نیت کے بعد ہاتھوں کو کان کی لو تک لیجا کر کہیں ”اللہ اکبر“ پھر ہاتھوں کو نیچے لائیں۔

۳۔ قرائت: تکمیلۃ الاحرام کے بعد سورہ حمد کو شروع کریں: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مَالِکِ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ۔ ترجمہ: خداوند رحمن و رحیم کے نام سے (شروع کرتا ہوں) ساری تعریفیں اس خدا کے لئے مخصوص ہیں جو جہانوں کو پالنے والا ہے، جو دنیا میں سب پر رحم، اور آخرت میں صرف مومنین پر رحم کرنے والا ہے، قیامت اور جزا کے دن کا مالک ہے، پروردگار صرف تیری عبادت کرتے ہیں، اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں، ہم کو صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھ، ایسے لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں، ان لوگوں کا راستہ نہیں، جن پر تو نے غضب نازل کیا ہے اور گمراہوں کا راستہ۔

نکتہ ۱: سورہ حمد پڑھنے کے بعد قرآن مجید سے کوئی ایک سورہ پڑھیں مثلاً سورہ توحید اس طرح: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ۔ وَلَمْ یَلِنْ لَّہُ کُلُوْا اَحَدٌ۔ ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمن و رحیم ہے، اے پیغمبر! کہہ دیجئے وہ خدا ایک ہے، وہ خدا سب سے بے نیاز ہے مگر سب اس کے نیاز مند ہیں، کوئی اس سے نہیں پیدا ہوا ہے اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور کوئی اس کا مثل و نظیر نہیں ہے۔

نکتہ ۲: مردوں پر واجب ہے کہ ناز صبح و مغرب و عشا میں سورہ حمد اور دوسرا سورہ بلند آواز سے پڑھیں۔

نکتہ ۳: تکمیلۃ الاحرام (اللہ اکبر) کہتے وقت ہاتھوں کا کان کی لو تک اٹھانا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

۴۔ رکوع: سورہ حمد اور دوسرے سورہ کے بعد رکوع میں جائیں، یعنی اس انداز میں جھک جائیں کہ ہاتھ دونوں گھٹنوں تک پہنچ جائے اور پھر پڑھیں: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ“ یا تین مرتبہ کہیں ”سُبْحَانَ اللَّهِ“، یعنی میرا عظیم پروردگار ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے اور میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں، رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہو کر کہیں: ”سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمْدَهُ“ (خداوند عالم اپنے بندے کی حمد و ثنا قبول کرنے والا ہے) پڑھنا مستحب ہے۔

۵۔ سجدہ: رکوع کے بعد سجدہ میں جائیں یعنی پیشانی کو زمین پر یا جو چیز اس سے اگتی ہے (لیکن کھانے اور پہننے والی نہ ہو) اس پر رکھیں اور حالت سجدہ میں پیشانی، دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی اور دونوں گھٹنوں گھٹنے دونوں انگلیوں کے سرے کو زمین پر رکھیں پھر پڑھیں: ”سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى وَبِحَمْدِهِ“ یا تین مرتبہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ“ (میرا پروردگار ہر ایک سے بالا و برتر ہے اور ہر عیب و نقص سے پاک و منزہ ہے اور میں اس کی حمد کرتا ہوں) پڑھیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھائے اور تھوڑا ٹھہر کر پھر دوبارہ سجدہ میں جائیں اور سجدہ دوم سے سر اٹھا کر تھوڑی دیر بیٹھیں اور دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہوتے وقت پڑھیں ”بِحَوْلِ اللَّهِ وَقُوَّتِهِ أَقُومُ وَاقْعُدْ“ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت و مدد سے کھڑا ہوتا اور بیٹھتا ہوں، کہنا مستحب ہے جب سیدھے کھڑے ہو گئے تو مطمئن ہو کر الحمد اور دوسرا سورہ پہلی رکعت کی طرح پڑھیں۔

۶۔ قنوت: سورہ حمد اور دوسرے سورہ سے فارغ ہونے کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے کے سامنے لا کر قنوت (دعا) پڑھیں: ”رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ (اے پروردگار! دنیا اور آخرت میں ہم کو حسنہ مرحمت فرما اور جہنم کے عذاب سے بچا) دونوں ہاتھوں کو نیچے لائیں اور مثل سابق رکوع کریں۔ توجہ: قنوت پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب اور فضیلت و ثواب کا باعث ہے۔

۷۔ تشهد: تمام نمازوں میں دوسری رکعت کے کامل کرنے کے بعد دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھ جائیں اور اس طریقے سے تشهد پڑھیں: ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَشْہَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لَا شَرِیکَ لَہٗ وَاَشْہَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰہِ صَلَّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ“ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی پرستش کے قابل نہیں ہے وہ یگانہ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندے اور اس کے رسول میں خداوند عالم محمد اور ان کی آل پر درود بھیج۔ توجہ: نماز مغرب میں پہلے تشهد کے بعد سلام نہیں پڑھنا چاہیے بلکہ کھڑے ہو جائیں اور کھڑے ہو کر اطمینان کی حالت میں تیسری رکعت کو شروع کریں پھر رکوع و سجود و تشهد کے بعد سلام پڑھیں، اور نماز ظہر و عصر و عشا میں پہلے تشهد کے بعد سلام نہیں پڑھیں گے بلکہ کھڑے ہو کر تیسری اور چوتھی رکعت انجام دینے کے بعد بیٹھ کر تشهد و سلام پڑھا جائے گا۔

۸۔ سلام: نماز صبح میں تشهد کے بعد سلام اس طرح سے پڑھیں ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ“ ”اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ“ ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ“ اے نبی! آپ پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو ہم پر اور خدا کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو، اے نماز تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکتیں ہوں۔

۹۔ تسبیحات اربعہ: نماز مغرب کی تیسری اور نماز عشا ظہر و عصر کی تیسری و چوتھی رکعت میں سورہ حمد کے بجائے تسبیحات اربعہ پڑھیں گے ”سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَكْبَرُ“ خداوند عالم پاک و منزہ ہے حمد و ثنا اس کے لئے مخصوص ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں خدا اس سے کہیں بزرگ ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ توجہ: نماز پڑھنے والے کا جسم و لباس پاک ہونا چاہیے اور لباس کے پاک ہونے کے ساتھ مباح اور حرام گوشت رکھنے والے جانور یا مردار کی جلد اور کھال سے بنا ہوا نہیں ہونا چاہیے۔ توجہ: نماز پڑھنے والی عورت، جنابت و حیض و استحاضہ و نفاس سے اور مرد جنابت سے پاک ہو۔

## ناز کے ارکان

ناز کے پانچ ارکان میں : ۱۔ نیت۔

۲۔ تکبیرۃ الاحرام۔

۳۔ قیام، تکبیرۃ الاحرام کہتے وقت اور رکوع میں جانے سے پہلے جس کو قیام متصل بہ رکوع کہا جاتا ہے یعنی رکوع سے پہلے کھڑے ہونا۔

۴۔ رکوع۔

۵۔ دونوں سجدے عداً و سہواً یا ان ارکان کو کم یا زیادہ کرنے سے ناز باطل ہو جاتی ہے۔

ناز کو باطل کرنے والی چیزیں

ان کاموں کو انجام دینے سے ناز باطل ہو جاتی ہے : ۱۔ چاہے عداً ہو یا سہواً وضو کے ٹوٹ جانے سے ناز باطل ہو جاتی ہے۔

۲۔ جان بوجھ کر دنیا کے متعلق گریہ کرنا۔

۳۔ عداً قہقہہ کے ساتھ ہنسا۔

۴۔ جان بوجھ کر کھانا اور پینا۔

۵۔ بھول کر یا جان بوجھ کر کسی رکن کو کم یا زیادہ کر دینا۔

۶۔ حمد کے بعد آمین کہنا۔

۷۔ سوایا عدا قبلہ کی طرف پیٹھ کرنا۔

۸۔ بات کرنا۔

۹۔ ایسا کام کرنا جس سے نماز کی صورت ختم ہو جائے جیسے تالی بجانا اور اچھلنا، کودنا وغیرہ۔

۱۰۔ پیٹ پر ہاتھ باندھنا (اہل سنت کی طرح)۔

۱۱۔ دو رکعتی یا تین رکعتی نماز کی رکعتوں میں شک کرنا۔

### مسافر کی نماز

ان شرائط کے ساتھ مسافر کو چاہیے کہ چار رکعتی نماز کو دو رکعت پڑھے : ۱۔ آٹھ فرسخ جانے کا ارادہ رکھتا ہو (۳۳ کلومیٹر) یا چار فرسخ جائے اور واپس آئے۔

۲۔ کثیر السفر نہ ہو، یعنی ڈرائیور یا ملاح (ناؤ چلانے والے) کے مانند نہ ہو کہ اس کا کام ہی سفر میں رہتا ہے۔

۳۔ تاجر نہ ہو کہ سفر کی حالت میں تجارت کرتا ہو۔

۴۔ اس کا سفر کسی حرام کام کے لئے نہ ہو، جیسے سفر کرے چوری یا مومن کے قتل کرنے کے لئے اسی طرح عورت بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نکلے یا بیٹا اور بیٹی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر فرار کریں۔

۵۔ آٹھ فرسخ سے پہلے اس کا وطن یا دس دن قیام نہ کرے۔

نکتہ ۱: جو مسافر سفر میں ایک جگہ دس دن رہنے کا ارادہ رکھے تو جب تک وہاں پر قیام ہے نماز پوری پڑھے اور وہ مسافر جو تیس دن تک متردد حالت میں رہ رہا ہو تیس دن کے بعد چاہیے کہ نماز کو پوری پڑھے۔

نکتہ ۲: جو شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہے اپنے وطن سے یا رہنے کی جگہ سے اس کو چاہیے کہ حد ترخص کے بعد نماز کو قصر اور روزہ کو افطار کر لے اس سے پہلے نماز قصر اور روزہ باطل نہیں کرنا چاہیے (حد ترخص) مسافر اپنے گھر سے اس قدر دور نکل جائے کہ شہر کی آواز آذان سنائی نہ دے اور نہ شہر کی دیوار دکھائی دے، اس سے پہلے وہ شخص شرعی مسافر نہیں ہے۔

### نماز آیات

نماز آیات پڑھنے کا وقت سورج گھٹن، چاند گھٹن، زلزلہ اور غیر عادی حادثہ جس سے اکثر لوگ خوف محسوس کریں مثلاً سیاح و سرخ آمدھی اس وقت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نماز آیات بجالائے۔

نماز آیات کا طریقہ: ۱۔ وضو کے بعد قبلہ رخ کھڑا ہو کر نیت کرے کہ میں نماز آیات پڑھتا ہوں (قربۃ الی اللہ)

۲۔ نیت کے بعد دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر لے جا کر کہے ”اللہ اکبر“۔

۳۔ سورہ حمد اور دوسرا سورہ پڑھے پھر رکوع میں جائے اور ذکر رکوع کو بجالائے۔

۴۔ رکوع سے سر اٹھا کر سورہ حمد اور دوسرا سورہ پڑھے پھر رکوع میں جائے اسی طرح انجام دے یہاں تک کہ پانچ سورہ حمد اور پانچ رکوع تمام ہو جائے۔

۵۔ پانچویں رکوع کے بعد سجدہ میں جائے اور نماز پہچگانہ کی طرح دو سجدہ بجالائے۔

۶۔ دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور رکعت اول کی طرح اس کو بھی بجالائے اور پانچویں رکوع کے بعد سجدہ بجالائے

۷۔ دونوں سجدہ کے بعد تشهد اور سلام پڑھ کر نماز تمام کرے۔

توجہ: نماز آیات کا وقت سورج اور چاند گسن کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ گسن ختم ہو جائے لیکن اور دوسری نماز آیات (جیسے زلزلہ و سیاہ و سرخ آندھی) جس وقت بھی پڑھیں، ادا ہے۔

### روزہ

اسلام کے اہم واجبات میں سے روزہ ہے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ نے فرمایا: روزہ جہنم کی آگ کے مقابلہ میں ڈھال ہے<sup>۱</sup>۔ خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: روزہ میرے لئے ہے اور میں خود اس کا اجر دوں گا<sup>۲</sup>۔ یہ عظیم عبادت اپنے دامن میں بہت زیادہ فوائد رکھے ہوئے ہے، ڈاکٹری تحقیق کے مطابق پیٹ کی مٹینوں کے لئے آرام کا باعث ہے، اور انسان کی سلامتی کے لئے مفید ہے اور اخلاقی اعتبار سے دشواری اور سختی کے وقت صبر و استقامت بخشتا ہے اور امیروں کو ناتواں اور مفلوک الحال افراد کے بارے میں غور و فکر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: روزہ واجب ہے تاکہ پیٹے والے، بھوک کا مزہ چکھیں، مجوروں اور غریبوں کے حال پر غور و فکر کریں (نیز) ان کے ساتھ احسان و بخشش کریں<sup>۳</sup>۔

تمام مسلمانوں پر رمضان کے مہینے کا روزہ کھنا واجب ہے، یعنی صبح صادق سے لے کر مغرب تک تمام وہ کام جو روزہ کو باطل کرتے ہیں ان سے اجتناب و پرہیز کرے اور روزہ کو باطل کرنے والے امور یہ ہیں: ۱۔ کھانا اور پینا۔

۲۔ غلیظ گرد و غبار کا حلق تک پہنچانا۔

۳۔ قے کرنا۔

<sup>۱</sup> وافی، ج ۲، جز ۷، ص ۵۔

<sup>۲</sup> وافی، ج ۲، جز ۷، ص ۵۔

<sup>۳</sup> وافی، ج ۲، جز ۷، ص ۵۔



۴۔ جامع (عورت سے بہمستری کرنا)

۵۔ حقنہ کرنا۔

۶۔ پانی میں سر ڈبونا۔

۷۔ اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹا الزام لگانا۔

۸۔ استمناء (منی نکالنا)

۹۔ صبح کی اذان تک جنابت و حیض و نفاس پر باقی رہنا۔

نکتہ: اگر یہ روزہ توڑنے والی چیزیں عمداً واقع ہو تو روزہ باطل ہو جاتا ہے

لیکن اگر بھول چوک یا غفلت کے سبب واقع ہو تو روزہ باطل نہیں ہوتا ہے سوائے جنابت و حیض و نفاس پر باقی رہنے کے، کہ اگر سہواً اور غفلت کی وجہ سے بھی ہو، تو بھی روزہ باطل ہے۔ وہ افراد جو روزہ کو توڑ سکتے ہیں ا۔ بیمار: جس پر روزہ رکھنا ضرر کا باعث ہو۔

۲۔ مسافر، انھیں شرائط کے ساتھ جو مسافر کی نماز کے متعلق بیان ہوئی ہیں۔

۳۔ وہ عورت جو ماہواری (حیض کی حالت میں) یا نفاس میں ہو۔

نکتہ: ان تینوں قسم کے افراد کو چاہیے کہ اپنے روزہ کو توڑ دیں اور عذر کو برطرف ہونے کے بعد روزہ کی قضا کریں۔

۴۔ حاملہ عورتیں جن کا وضع حمل قریب ہو اور روزہ خود اس کے لئے یا اس کے بچے کے لئے ضرر کا باعث ہو۔

۵۔ بچے کو دودھ پلانے والی عورتیں جسکو روزہ رکھنے سے دودھ میں کمی آتی ہو اور بچہ کی تکلیف کا سبب ہو۔

۶۔ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جن پر روزہ رکھنا سخت اور دشوار ہے۔

نکتہ ۱: یہ عورتیں عذر کے زائل ہونے کے بعد اپنے روزے کی قضا اور تین پاؤ گیہوں فقیر کو دیں گی۔ نکتہ ۲: اگر یہ لوگ رمضان کے بعد بآسانی روزہ رکھ سکتے ہوں تو قضا کریں، لیکن اگر ان پر روزہ رکھنا دشواری کا باعث ہے تو قضا واجب نہیں ہے، لیکن ہر روزہ کے بدلے تین پاؤ گیہوں فقیر کو دیں۔

نکتہ ۳: جو شخص عذر شرعی کے بغیر ماہ رمضان کے روزہ کو توڑ دے تو اسے چاہیے کہ اس کی قضا کرے اور ہر روزہ کے بدلے ساٹھ روزہ رکھے یا ساٹھ فقیروں کو کھانا کھلائے۔

## زکوٰۃ

اسلام کی واجب چیزوں میں سے زکوٰۃ ہے، حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے وہ نہ مومن ہے اور نہ ہی مسلمان ہے اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا: خداوند عالم نے قرآن مجید میں زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا ہے، جو شخص نماز پڑھے مگر زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز قبول نہیں ہے<sup>۱</sup> حضرت امام رضاؑ فرماتے ہیں: اگر تمام لوگ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتے تو (دنیا) میں کوئی فقیر نہ ہوتا<sup>۲</sup> زکوٰۃ ۹ چیزوں پر واجب ہے: ۱۔ گیہوں ۲۔ جو ۳۔ کھجور ۴۔ کشمش ۵۔ گائے بھینس ۶۔ بھیر بکری ۷۔ اونٹ ۸۔ سونا ۹۔ چاندی۔ دین اسلام نے ان چیزوں کے لئے ایک حد و مقدار بیان فرمائی ہے اگر اس حد تک پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ دینا واجب ہوگی اگر اس مقدار تک نہ پہنچے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اس حد کو نصاب کہتے ہیں۔ گیہوں، جو، کھجور اور کشمش: ان چار چیزوں کا نصاب ۸۴۷ کلو ہے اگر اس مقدار سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے، زکوٰۃ نکالتے وقت یہ نکتہ بھی ذہن نشین

<sup>۱</sup> وافی، ج ۲، ص ۵، جز ۶۔

<sup>۲</sup> وافی، ج ۲، ص ۵، جز ۶۔

<sup>۳</sup> وافی، ج ۲، ص ۶۔

رہے کہ جو زراعت پر اخراجات ہوئے میں ان سب کو نکال کر اگر نصاب کی حد تک پہنچے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کی مقدار: گیہوں، جو، کھجور و کشمش کی آب پاشی اگر بارش، نر، زمین کی تری سے ہوئی ہو تو اس کی زکوٰۃ دسواں حصہ ہے اور اگر کنوئیں کے پانی یا ڈول وغیرہ سے کھینچ کر ہوئی ہے تو اس کی زکوٰۃ میواں حصہ ہوگی۔ بھیر بکری کا نصاب: اس کا پانچ نصاب ہے: پہلا: ۴۰ بھیروں پر ایک بھیر کی زکوٰۃ ہوگی (اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے) دوسرا: ۱۲۱ بھیروں کی زکوٰۃ دو بھیر ہوگی۔ تیسرا: ۲۰۱ بھیروں کی زکوٰۃ تین بھیر ہوگی چوتھے: ۳۰۱ بھیروں کی زکوٰۃ چار بھیر ہوگی۔ پانچویں: چار سو سے زیادہ بھیروں میں ہر سو پر ایک بھیر بطور زکوٰۃ ادا کرے۔

نکتہ: کوئی گیارہ مہینے بھیروں کا مالک رہا ہو تو اس کو بارہویں مہینے میں زکوٰۃ دینا واجب ہے بھیر بکریوں پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب وہ پورے سال یا بانوں میں چری ہوں اگر تمام سال یا کچھ مہینہ چراگاہ کی گھانس یا خریدی ہوئی گھانس کھائے ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

گائے کا نصاب: گائے کے دو نصاب ہیں: (پہلا) تیس گائے کی زکوٰۃ، گائے کا ایسا بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہوا ہو۔ (دوسرا) چالیس گائے کی زکوٰۃ، گائے کا ایسا بچہ (جو مادہ ہو) جو تیسرے سال میں داخل ہو۔ اگر چالیس سے زیادہ گائے ہو تو ان دو نصابوں میں سے جو حساب میں بہتر تطبیق ہو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے یا تو تیس تیس عدد کا حساب کرے یا چالیس چالیس عدد کا حساب کرے یا دونوں کو ملا کر حساب کرے مثلاً کسی کے پاس ساٹھ گائے ہے تو چاہیے کہ تیس کا حساب کرے اور اگر ستر گائے ہے تو ایک تیس اور ایک چالیس کا حساب کرے اور اگر اسی گائے ہے تو چاہیے کہ دو چالیس کا حساب کرے۔

نکتہ: گائے کی زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب پورے سال بے کار رہی ہو یا بانوں میں چری ہو<sup>۱</sup>۔ سونے کا نصاب: سونے کا دو نصاب ہے: پہلا۔ بیس مثقال شرعی جو ۱۵ مثقال معمولی کے برابر ہوتا ہے اس مقدار کے برابر ہو اس کا چالیسواں حصہ بہ

<sup>۱</sup> چونکہ موجودہ صورت حال میں اونٹ کی زکوٰۃ کا اتفاق نہیں ہوتا ہے، اس لئے ہم نے اس کے نصاب کو بیان نہیں کیا ہے

عنوان زکوٰۃ ادا کرے۔ (دوسرا) چار مثقال شرعی جو تین مثقال معمولی کے برابر ہوتا ہے یعنی اگر ۱۵ مثقال معمولی پر تین مثقال معمولی کا اضافہ ہو جائے تو پورے ۱۸ مثقال معمولی (یعنی ۲۴ مثقال شرعی) کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد کے حساب سے دے اور اگر تین مثقال معمولی (چار مثقال شرعی) سے کم کا اضافہ ہو تو صرف ۱۵ مثقال معمولی کی زکوٰۃ ہوگی باقی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ اسی حساب سے چاہے جس قدر اضافہ ہوتا جائے زکوٰۃ واجب ہوگی، اگر تین مثقال معمولی (۴ مثقال شرعی) کا اضافہ ہو جائے تو پورے کی زکوٰۃ دے اور اگر تین مثقال معمولی سے کم اضافہ ہو تو اس اضافہ پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔

چاندی کا نصاب چاندی کے دو نصاب میں پہلا نصاب: جب چاندی ۱۰۵ مثقال معمولی کے برابر ہو جائے تو ڈھائی فیصد کے حساب سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر ۱۰۵ مثقال سے کم ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ دوسرا نصاب: (۲۱ مثقال پر ہے) اگر ۱۰۵ مثقال پر ۲۱ مثقال زیادہ ہو جائے تو پورے ۱۲۶ مثقال کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر ۲۱ سے کم کا اضافہ ہو تو صرف ۱۰۵ مثقال پر زکوٰۃ ہوگی اور باقی پر نہیں اسی طرح چاہے جقدر اضافہ ہو جائے اسی حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نکتہ ۱: سونا چاندی سکہ دار، رائج الوقت، اور گیارہ مہینے مالک کے اختیار میں رہا ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

نکتہ ۲: اگر سونا، چاندی حد نصاب سے خارج نہ ہوا ہو، تو ہر سال زکوٰۃ دینا چاہیے چاہیے اس سے پہلے سال زکوٰۃ ادا کی ہو۔

نکتہ ۳: شاید زکوٰۃ میں اسلام کا فلسفہ یہ ہو کہ سونا چاندی سکہ دار ذخیرہ نہ ہو بلکہ اقتصادی حالات کو صحیح کرنے کے لئے اس کو مصرف اور خرچ میں لانا چاہیے۔

زکوٰۃ کا مصرف درج ذیل آٹھ مقامات میں سے کسی ایک مقام پر زکوٰۃ صرف کرنا چاہیے: ۱۔ فقیر: یعنی جو شخص اپنے اور اپنے عیال کے سال بھر کے اخراجات نہ رکھتا ہو۔

۲۔ مسکین: یعنی جس شخص کی مالی حالت فقیر کی حالت سے بھی زیادہ بدتر ہو۔

۳۔ فی سبیل اللہ: یعنی ایسے کاموں میں صرف کرنا جس سے عام طور سے دینی منفعت ہو جیسے مسجد و مدرسہ بنانے میں پل، ہاسٹل وغیرہ۔

۴۔ ابن سبیل: یعنی جو شخص سفر میں در ماندہ و محتاج ہو گیا ہو اس کو زکوٰۃ سے بقدر ضرورت دیا جائے گا کہ اپنے شر پہنچ جائے۔

۵۔ جو مقروض اپنے قرض کو ادا نہ کر سکتے ہوں ان کے قرض کی ادائیگی میں صرف کریں گے۔

۶۔ غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے میں۔

۷۔ اس کافر کو دیں گے کہ جس کیلئے امکان ہے اسان کے توسط سے اسلام کی طرف مائل ہو جائے گا۔

۹۔ جو شخص حاکم شرع کی طرف سے زکوٰۃ اصول کرنے پر مامور ہو۔

نکتہ: اگر لوگ زکوٰۃ کا پیسہ ادا کریں تو حاکم شرع کو چاہیے کہ فقر و بیکاری کے ختم کرنے کی کوشش اور شہروں اور دیہاتوں کے آباد کرنے میں سعی کرے اور امور خیریت کی بنیاد ڈالے۔

## خمس

اسلام کے مالی حقوق میں سے خمس ہے جو تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ سات چیزوں پر خمس دینا واجب ہے: ۱۔ کاروبار کے منافع، انسان کو زراعت و صنعت و تجارت مختلف اداروں میں ملازمت کاریگری وغیرہ سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے (مثلاً کھانا، لباس، گھر کا برتن، گھر خریدنا، شادی، ہمان نوازی، مسافت کے خرچ) سالانہ خرچ سے جو بچ جائے اس پخت کا پانچواں حصہ بعنوان خمس ادا کرے۔

۲۔ کان سے جو سونا، چاندی، لوہا، تانبہ، پیتل، تیل، نمک، پتھر کا کوئلہ، گندھک معدنی چیز برآمد ہوتی ہے اور جو دھاتیں ملتی ہیں، ان سب پر خمس واجب ہے۔

۳۔ خزانے۔

۴۔ جنگ کی حالت میں مال ضیعت۔

۵۔ دریا میں غوطہ خوری کے ذریعہ حاصل ہونے والے جواہرات۔

۶۔ جو زمین مسلمان سے کافر ذمی خریدے اس کو چاہیے کہ پانچواں حصہ اس کا یا اس کی قیمت کا بعنوان خمس ادا کرے۔

۷۔ حلال مال جو حرام مال میں مخلوط ہو جائے اس طرح کی حرام کی مقدار معلوم نہ ہو اور نہ ہی اس مال کو پہچانتا ہو، تو اسے چاہیے ان تمام مال کا پانچواں حصہ خمس دے تاکہ باقی مال حلال ہو جائے۔

نکتہ ۱: جو شخص خمس کے مال کا مقروض ہے اس کو چاہیے کہ مجتہد جامع الشرائط یا اس کے کسی وکیل کو دے تاکہ وہ عظمت اور ترویج اسلام اور غریب سادات کے مخارج کو اس سے پورا کرے۔

نکتہ ۲: خمس و زکوٰۃ کی رقوم اسلامی مالیات کا سنگین اور قابل توجہ بھٹ ہے۔ اگر صحیح طریقہ سے اس کی وصولی کی جائے اور حاکم شرع کے پاس جمع ہو تو اسے مسلمانوں کے تمام اجتماعی کاموں کو بطور احسن انجام دیا جاسکتا ہے، یا فقیہی و بیکاری اور بھالت کا ڈٹ کر مقابلہ اور اس سے لاچار و فقیر لوگوں کی دیکھ بیکھ کی جاسکتی ہے اور لوگوں کی ضروری امور کہ جس کا فائدہ عمومی ہوتا ہے اس کے ذریعہ کرائے جاسکتے ہیں مثلاً ہاسپٹل، مدرسہ، مسجد، راستہ، پل اور عمومی حمام وغیرہ۔

جج

جو شخص مالی اور جہانی قدرت رکھتا ہو پوری عمر میں ایک مرتبہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے جانا اور دنیا کے سب سے بڑے اجتماع اور تمام مسلمانوں کے جاہ و جلال کے ساتھ شرکت کرنا واجب ہے۔ حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: جو شخص مر جائے اس حال میں کہ عذر شرعی کے بغیر اپنے واجبی حج کو ترک کیا ہے تو ایسا شخص دنیا سے مسلمان نہیں جاتا بلکہ وہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ محذور ہوگا حج اسلام کی بڑی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے اور اپنے دامن میں بڑے فوائد کو رکھے ہوئے ہے مسلمان چاہے تو اس حج کے مراسم و مناسک میں اپنے ایمان کی تقویت اور خدا سے اپنے رابطہ کو محکم و استوار کر لے خدا پرستی و فروتنی، برادری و بھائی چارگی اور بخشش و درگزر کرنے کا عملی شاہکار اس بڑی اسلامی درس گاہ میں سیکھ سکتا ہے۔

دنیا کے تمام مسلمان ایک جگہ اور ایک مقام پر جمع اور ایک دوسرے کے رسوم و عادات سے آشنا ہوتے ہیں اور ہر ملک کے عمومی حالات کے تبادلہ خیالات کے نتیجہ میں علمی سطح میں اضافہ ہوتا ہے اور جہاں پر مسلمان اسلام کی مشکلات اور محکم خطرات سے باخبر ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ ایک دوسرے کے اقتصادی اور سیاسی و فرهنگی پروگراموں کے سلسلہ میں باز پرس کرتے ہیں جہاں اسلام کے عمومی مصالح و فوائد پر آپس میں گفتگو کرتے ہیں اتحاد، ہم فکری نیز آپسی دوستی کے روابط مستحکم ہوتے ہیں۔

نکتہ: حج ہر مالی استطاعت رکھنے والے شخص پر واجب ہے یعنی اس کے پاس اتنا مال موجود ہو کہ اگر وہ اپنے مال سے حج کے اخراجات نکال لے تو وہاں آنے پر بچا رہ حیران و سرگرداں نہ پھرے بلکہ مثل سابق اپنی زندگی اور کام وغیرہ کو ویسے ہی انجام دے سکتا ہو۔

جہاد

اسلام کا ایک محم دستور جہاد ہے۔ خدا پرستی کی ترویج و احکام اسلام کے نفوذ، کفر و بے دینی اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کو جہاد کہتے ہیں اور جہاد تمام مسلمانوں پر واجب ہے، اس ضمن میں قرآن مجید کہتا ہے: (إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ

فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانْتَحُمُ بِنِانِ مَرُوضٍ) خدا تو ان لوگوں سے الفت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں اور دوسرے مقام پر اس طرح تشویق کرتا ہے (وَقَاتِلِ الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوكُمُ كَافَّةً) اور مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب لڑتے ہیں تم بھی اسی طرح سب کے سب لڑ کر ان سے لڑو<sup>۱</sup>۔ اور ایک مقام پر قرآن کہتا ہے ان کے رہنماؤں کے پیر اکھاڑ دو (تَقَاتِلُوا أَعْمَتَهُ الْكُفْرَ لَا تَنْحُمُ لَا إِيْمَانُ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ) کفار کے سربرآوردہ لوگوں سے خوب لڑائی کرو، ان کی قسموں کا ہرگز کوئی اعتبار نہیں ہے تاکہ یہ لوگ (اپنی شرارت) سے باز آجائیں<sup>۲</sup>۔ اسی طرح ارشاد باری ہے: (وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ) کفار سے اس قدر جنگ کرو کہ فتنہ و فساد برطرف ہو جائے اور (فقط) خدا کا دین (باقی) رہے<sup>۳</sup>۔ اور ایک مقام پر ارشاد رب العزت ہے، ان کو مرعوب کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقتیں فراہم کرو (فَجَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَالِقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الزَّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بِنَانٍ) تم ایمانداروں کو ثابت قدم رکھو میں بہت جلد کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا (پس پھر کیا ہے اب) تو ان کفار کی گردنوں پر مارو اور ان کی پور پور پھٹیلی کر دو<sup>۴</sup>۔ (وَاعْدُوا لَهُمْ مَا سَتَحْتُمُ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطٍ مَخْلُوعٍ ثُرْبُونِ لَهُمْ وَعَدَّ اللَّهُ وَعْدًا وَكَلَّمَ وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ<sup>۵</sup>) اور (مسلمانوں) کفار کے (مقابلہ کے) واسطے جہاں تک ہو سکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بدھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو اسے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن اور اس کے سوا دوسرے لوگوں کے اوپر بھی اپنی دھاک بٹھا لو گے۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں: جہاد جنت کے دروازے میں سے ایک دروازہ ہے جو شخص جہاد سے انکار کرے خدا اس کو ذلیل و رسوا کرے گا<sup>۶</sup>۔ اسلام نے جہاد کو اسلامی ملکوں کی حفاظت کے لئے تمام مسلمانوں پر واجب قرار دیا ہے اور تمام مسلمانوں کو مجاہد

<sup>۱</sup> سورہ صف (۶۱) آیت ۴۔

<sup>۲</sup> سورہ توبہ (۹) آیت ۳۶۔

<sup>۳</sup> سورہ توبہ آیت ۱۲۔

<sup>۴</sup> سورہ بقرہ آیت ۱۹۳۔

<sup>۵</sup> سورہ انفال آیت ۱۲۔

<sup>۶</sup> سورہ انفال آیت ۶۰۔

<sup>۷</sup> وسائل الشیعة، ج ۱۱، ص ۱۱۔



اور اسلامی ملک کو مجاہدوں کی جگہ قرار دی ہے، مجاہدین اسلام کو چاہیے ہمیشہ کفر و اتحاد کے مقابلہ میں مسلح اور صف بصف آمادہ رہیں تاکہ دشمن اسلام قدرت و شوکت اور اتحاد مسلمین سے خوف کھائے اور اس کے ذہن سے اسلامی ملکوں پر زیادتی اور تجاوز کے خیالات ہوا ہو جائیں، اگر کفار کی فوج اسلام کے کسی علاقہ پر حملہ آور ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر اپنے استقلال کے لئے اس کا دفاع کرنا واجب ہے اور تمام لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ سب کے سب دشمنوں کے مقابلہ میں صف بستہ کھڑے ہوں اور ایک ہی حملہ میں مخالف کی فوج کو تھس نہس اور تباہ و برباد کر کے اپنی جگہ پر بٹھادیں تاکہ دوبارہ وہ اس کی جرأت و ہمت نہ کر سکیں۔ جب تک مسلمان جہاد کو اپنا مقدس دینی وظیفہ سمجھتے تھے اور دشمن کے مد مقابل اسلحہ سے لیس آمادہ اور تمام تیاری کے ساتھ ایک صف میں محاذ آرائی کے لئے کھڑے تھے، اس وقت تک کسی دشمن اسلام کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ تھی، اس وقت دشمنان اسلام خوفزدہ اور اپنی قدرت و طاقت کی کمزوری کو درک کرتے تھے۔

لیکن جب مسلمان (مجاہدین) پرالگندہ ہو گئے اور بکھر گئے (بجائے اس کے کہ دشمن کے مقابلہ میں صف بستہ ہوتے) بلکہ اپنی عزت و عظمت کو خود ہی تباہ کر بیٹھے اور دوسروں کے دست نگر اور محتاج ہو کر استعمال ہونے لگے، لہذا اپنی حفاظت و استقلال کے لئے مجبور ہو گئے کہ غیروں کا سہارا لیں، تاکہ وہاں چاہوسی اور خوشامدی کر کے اپنی حفاظت کی بجیک مانگیں لیکن نتیجہ اس کے بر خلاف نکلا (خود ابریشم کے کیڑے کی طرح) روز بروز اس کے فریب کے جال میں گھرتے گئے۔

نکتہ: جہاد کے لئے مخصوص شرائط میں جس کی بابت چاہیے کہ فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر اسلام کے واجبات میں سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے، ترویج اسلام و تبلیغ احکام میں کوشش کرنا لوگوں کو دینی ذمہ داریوں اور اچھے کاموں سے آشنائی کرانا تمام مسلمانوں پر واجب ہے اگر کسی کو دیکھئے کہ اپنے وظیفہ پر عمل پیرا نہیں ہے تو اس کو انجام دینے کے لئے آمادہ کرے اس کام کو امر بالمعروف کہتے ہیں۔ منکرات (خدا کی منع کردہ چیزیں) سے

لوگوں کو منع کرنا بھی اسلام کے واجبات میں سے ہے، اور واجب ہے کہ مسلمان فساد، ظلم و ستم کے خلاف جنگ کرے اور برے و گندے کاموں سے روکے اگر کسی کو دیکھے کہ جو منع کئے ہوئے کاموں (منکرات) کو انجام دیتا ہے تو اس کام کے برے ہونے کی طرف اس کی توجہ دلائے، جس حد تک ممکن ہو سکے اس کو برے کاموں سے روکے اس کام کو نہی از منکر کہتے ہیں۔ لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کی بڑی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری ہے اگر اس وظیفہ پر عمل ہونا شروع جائے تو اسلام کا کوئی بھی قانون بلا عمل باقی نہیں رہے گا جیسا کہ اسلام تمام احکام و قوانین دینی کو مسلمانوں کے اجرا کا مؤل سمجھتا ہے، تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایک دوسرے کا خیال رکھیں نیز مسلمانوں پر واجب ہے دین اسلام کے قوانین کا ہر طرح سے دفاع اور اس کی حفاظت اور رائج کرنے میں کوشش کریں، تاکہ اس کے فائدے سے تمام افراد بہرہ مند ہو سکیں، ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ خود نیک کام کو انجام دے اور لوگوں کو بھی نیک کام پر آمادہ کرے، خود بھی برے اور گندے کاموں سے دور می کرے اور دوسروں کو بھی محرمات الہی سے روکے۔

مذکورہ دستور العمل سرنامہ اسلام اور قرآن کا مخصوص پروگرام شمار ہوتا ہے قرآن مجید اس دستور العمل کو انجام دینے میں مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی شمار کرتا ہے۔ خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ) تم کیا اچھے گروہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے تم (لوگوں) کو اچھے کام کا حکم کرتے اور برے کاموں سے روکتے اور خدا پر ایمان رکھتے ہو اور ایک جگہ پر ارشاد ہوتا ہے: (وَكُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ يُدْعَوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) اور تم میں سے ایک گروہ (ایسے لوگوں کا بھی) تو ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کام کا حکم اور برے کاموں سے روکیں۔<sup>۱</sup>

<sup>۱</sup> آل عمران (۳) آیت ۱۱۰۔

<sup>۲</sup> آل عمران (۳) آیت ۱۰۴۔

حضرت امام علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امر بالمعروف نہی از منکر کرو اگر تم نے اس فرض پر عمل نہیں کیا تو اشرار تم پر مسلط ہو جائیں گے اس وقت اچھے لوگ جس قدر بھی دعائیں کریں اور ان کے ظلم و ستم پر گریہ کریں ان کی دعا محل اجابت میں قبول نہیں کی جائے گی۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا: جب بھی میری امت امر بالمعروف اور نہی از منکر کو ترک کر دے گویا خدا سے اعلان جنگ کر رہی ہے رسول خدا نے ارشاد فرمایا: جب بھی میری امت نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کے کام میں مشغول رہے گی معاشرہ اور سماج آبرو مند اور بہتر رہے گا، لیکن جس وقت اس ذمہ داری کو ترک کر دے ان کے ہاتھوں سے برکت اٹھ جائے گی، ورنہ ان میں سے بعض (شریر) افراد تمام لوگوں پر غالب آجائیں گے اس وقت یہ فریاد اور مدد کے لئے پکارتے رہیں زمین و آسمان سے کوئی ان کی مدد کے لئے نہیں آئے گا<sup>۲</sup>۔

امام حسن عسکریؑ فرماتے ہیں: نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کو ترک نہ کرنا ورنہ تم سب پر (خدا کی طرف سے) عذاب نازل ہوگا اور تم گرفتار عذاب ہو جاؤ گے جب بھی کوئی تم میں سے کسی کو برا کام کرتے ہوئے دیکھے تو فوراً اس کے روک تھام کے لئے قدم بڑھائے، اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے منع کرے اگر زبان سے منع کرنے پر قادر نہیں ہے تو چاہیے اس برے کام کے انجام پانے پر دل سے ناراض و غمگین ہو<sup>۳</sup>۔ حضرت علی بن ابی طالبؑ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں: اگر تم پر کوئی خطرہ اور مصیبت آجائے تو تم اپنے اموال کو اپنے نفس پر فدا کر دو، اگر تمہارے دین کے لئے خطرہ اور ہلاکت کا باعث ہو تو اپنی جان کو دین کی مدد و نصرت کے لئے فدا کر دو، جان لو کہ بد بخت اور شقی وہ شخص ہے جو اپنے دین کو کھو بیٹھے اور چوری اس کی ہوئی ہے جس کے دین کی چوری ہو جائے<sup>۴</sup>۔

<sup>۱</sup> وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۳۹۴

<sup>۲</sup> وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۳۹۴۔

<sup>۳</sup> وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۳۹۸۔

<sup>۴</sup> وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۰۷۔

<sup>۵</sup> وسائل الشیعہ، ج ۱۱، ص ۴۵۱۔

۱۔ امر بالمعروف اور نہی از منکر کے چند مراحل ہیں: پہلا مرحلہ: زبان سے نرمی کے ساتھ اس کام کی اچھائی یا برائی اس شخص کے لئے ثابت کی جائے اور نصیحت و موعظہ کی صورت میں اس سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس کام کو نہ کرے یا برے کام کو چھوڑ دے۔  
 دوسرا مرحلہ: اگر زبان سے موعظہ و نصیحت اسے کوئی فائدہ نہ پہنچائے تو سختی اور غصہ سے، برے کام سے روکا جائے۔  
 تیسرا مرحلہ: سختی و غصہ کی وجہ سے بھی اگر اس پر اثر نہ ہو تو جس حد تک، اگر قدرت رکھتا ہے یا جس وسیلہ و طریقہ سے ممکن ہے برے کام سے منع کرے۔ چوتھا مرحلہ: اگر اس کے باوجود بھی اس کو گناہ سے نہ روک سکے تو تمام لوگوں کو چاہیے اس سے اس طرح اٹھار نفرت کریں کہ اس کو احساس ہو جائے کہ تمام لوگ اس کے مخالف اور اس سے متنفر ہیں۔

### حرام و باطل معاملات

۱۔ عین نجس (جو چیز ذاتاً نجس ہو) جیسے پیشاب، پاخانہ، خون اور میت۔

۲۔ غصبی مال کی خرید و فروخت حرام و باطل ہے۔

۳۔ ایسے اسباب و آلات کی خرید و فروخت جو صرف حرام میں استعمال ہوتے ہیں جیسے موسیقی، جوئے کے آلات۔

۴۔ سودی معاملہ بھی حرام ہے۔

۵۔ شراب اور ہر مست کرنے والی چیزوں کی خرید و فروخت۔

۶۔ ایسی چیزوں کی خرید و فروخت جو اسلام کی نگاہ میں مالیت نہیں رکھتی ہے۔

۷۔ ان ملاوٹ والی چیزوں کا بچنا جس کے بارے میں خریدار کو کچھ پتہ نہ ہو جیسے گھی میں چربی یا کوئی اور چیز ملا کر بچنا۔

۸۔ انگور و کشمش و کھجور کو ایسے شخص کو بچنا جو اس سے شراب بناتا ہے (یا بنائے گا)۔

## نجس چیزیں

اسلام کچھ چیزوں کو نجس جانتا، اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کا حکم دیتا ہے :

۱۔ ۲۔ پیشاب و پاخانہ خواہ انسان کا ہو یا ہر حرام گوشت حیوان جو خون جہنہ رکھتا ہے یعنی اگر اس کی رگ کو کاٹ دیں تو خون بڑی سرعت کے ساتھ نکلے۔

۳۔ اسی طرح خون جہنہ رکھنے والے حیوان کی منی نجس ہے۔

۴۔ خون جہنہ رکھنے والے حیوان کا مردہ نجس ہے۔

۵۔ خون جہنہ رکھنے والے حیوان کا خون نجس ہے۔

۶۔ ننگی کے کتے۔

۷۔ ننگی کی سور۔

۸۔ کافر جو خدا و رسول کا منکر ہے۔

۹۔ شراب۔

۱۰۔ فحاح (پیر) جو، جو سے بنائی جاتی ہے۔

## مطہرات

۱۔ پانی: مطلق اور پاک پانی ہر چیز کی نجاست کو پاک کرتا ہے۔

۲۔ زمین: اگر زمین پاک اور خشک ہے تو انسان کا پیر، جوتے کا تلا، چمڑی کی نوک، گاڑی کا پیہ وغیرہ کو پاک کرتی ہے شرط یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے ان چیزوں کی نجاست زائل ہوگئی ہو۔

۳۔ آفتاب: (سورج) آفتاب کی گرمی زمین، چھت، دیوار، دروازہ، کھڑکی اور درخت وغیرہ کو پاک کرتا ہے شرط یہ ہے کہ عین نجاست بر طرف ہوگئی ہو اور نجاست کی تری آفتاب کی گرمی سے خشک ہو جائے۔

۴۔ عین نجاست کا دور ہونا: اگر حیوان کا بدن نجس ہو جائے تو عین نجاست کے دور ہوتے ہی اس کا بدن پاک ہو جاتا ہے، اور پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

۵۔ استحالہ: اگر عین نجس اس طرح متغیر ہو جائے کہ اس پر اس کے سابقہ نام کا اطلاق نہ ہو بلکہ اسے کچھ اور کہا جانے لگے تو وہ نجاست پاک ہو جاتی ہے، جیسے کتانک کی کان میں گر کر نمک بن جائے تو پاک ہو جائے گا یا نجس لکڑی کو آگ جلا کر خاکستر کر دے (تو وہ خاکستر پاک ہو جائیگی)

### واجب غسل

چھ غسل واجب ہیں: ۱۔ غسل جنابت ۲۔ غسل حیض ۳۔ غسل نفاس ۴۔ غسل استحاضہ ۵۔ غسل میت ۶۔ غسل مس میت۔

جنابت: انسان دو چیزوں سے محنوب ہو جاتا ہے، ۱۔ جماع (جنسی آمیزش) ۲۔ منی کا نکلنا غسل کا طریقہ غسل میں چند چیزیں واجب ہیں: ۱۔ نیت: غسل کو خدا کے لئے بجالائے اور معلوم ہونا چاہیے کہ کون سا غسل انجام دے رہا ہے (یا دے رہی ہے)

۲۔ نیت کے بعد پورے سر و گردن کو دھوئے اس طریقے سے کہ ایک ذرہ کہیں چھوٹے نہ پائے۔

۳۔ سر و گردن کے بعد دائیں طرف کے پورے بدن کو دھوئے۔

۴۔ اس کے بعد بائیں طرف کے پورے بدن کو دھوئے۔

نکتہ ۱: منجانب پر چند چیزیں حرام ہیں: ۱۔ خط قرآن، اسم خدا، اور اسماء انبیاء، اسماء ائمہ طاہرین، کو بدن کے کسی حصہ سے مس کرنا۔

۲۔ مساجد اور ائمہ علیم السلام کے حرم میں ٹھہرنا۔

۳۔ کسی چیز کو رکھنے کے لئے مسجد میں داخل ہونا۔

۴۔ وہ سورہ جن میں سجدہ واجب ہے ان میں سے کسی ایک آیت کا پڑھنا (عزائم کا پڑھنا)

۵۔ مسجد الحرام میں جانا۔

نکتہ ۲۔ منجانب کے لئے ضروری ہے کہ نماز اور روزہ کے لئے غسل کرے، اسی طرح وہ عورت جو خون حیض و نفاس سے فارغ ہوئی ہے، نماز و روزہ کے لئے غسل کرنا واجب ہے۔

تیمم کا طریقہ

تیمم میں پانچ چیزیں واجب ہیں: ۱۔ نیت۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر ہتھیلیوں کو زمین پر مارے۔

۳۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو پوری پیشانی اور اس کے دونوں طرف جہاں سے سر کے بال اگتے ہیں ابروؤں تک (اور ناک کے اوپر تک کھینچے)

۴۔ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو دائیں ہاتھ کی پوری پشت پر پھیرے۔

۵۔ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پوری پشت پر پھیرے۔

نکتہ ۱: جب انسان کے لئے پانی ضرر رکھتا ہو یا پانی تک رسائی ممکن نہ ہو یا نماز کا وقت تنگ ہو تو چاہیے کہ نماز کے لئے تمہ کرے۔

نکتہ ۲: مٹی، لکڑی، ریت، ڈھیلہ، پتھر، پر تمہ کرنا صحیح ہے۔

نکتہ ۳: اگر تمہ غسل کے بدلے ہو تو پیشانی کے مسح کے بعد ایک مرتبہ پھر دونوں ہاتھوں کو ملا کر زمین پر مارے، بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کی پشت کا اور دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت کا مسح کرنا چاہیے۔

بعض حرام کام ظلم کرنا، جھوٹ، غیبت، چاپلوسی، لوگوں کے مال کا غضب کرنا، عیب جوئی، جوا کھیلنا، سود کھانا، سود لینے کے لئے گواہ بننا، سود کے لئے رسید کاٹنا، زنا، لواط، نا محرم کی طرف دیکھنا، زنا کی نسبت دینا، ملاوٹ کرنا، شہادت (گواہی) چھپانا، جھوٹی گواہی دینا، وعدہ خلافی کرنا، میدان جنگ سے بھاگنا، شراب پینا، سور کا گوشت کھانا، مردہ کھانا، انسان کے یضیتین کا کھانا، خون پینا اور کھانا، نجس چیز کا کھانا و پینا، فساد پھیلانا، برے کام کو انجام دینا، مومن کا قتل کرنا، ماں اور باپ کو اذیت پہنچانا، جھوٹی قسم کھانا، کم فروشی (ناپ و تول میں کمی کرنا)، ظالم کی مدد کرنا، خیانت کرنا، ظالم کے پاس نامی و چغلی خریدی کرنا، گمراہ کرنا، دین میں بدعت ڈالنا، مسلمانوں کی توہین کرنا، خدا کی ذات سے ناامیدی، گالی دینا، تکبر کرنا، زبان سے اذیت کرنا، ریاکاری کرنا، لوگوں کو دھوکہ دینا، پڑوسی کو ستانا، لوگوں کو رنج پہنچانا (مردم آزاری)، رشوت کھانا، مشیت زنی کے ذریعہ منی نکالنا، چوری، احکام خدا کے خلاف فیصلہ کرنا، مردوں کا سونے کے زیورات سے زینت کرنا جیسے انگلیٹھی اور سونے کی گھڑی پہننا سونے کے برتن کا استعمال کرنا وغیرہ۔

بعض واجبات نماز، روزہ، امر بہ معروف و نہی از منکر، جہاد، زکات، خمس، حج، مظلوموں کی مدد، گواہی دینا، دین کا دفاع کرنا، نفس محترم کی حفاظت، سلام کا جواب دینا، ماں و باپ کی اطاعت کرنا، احکام دین کا سیکھنا، صلہ رحم کرنا، عہد و نذر کا وفا کرنا۔



## تقلید

خداوند عالم نے ہماری سعادت اور دنیا و آخرت میں نجات کے لئے تمام احکام و قوانین کو اپنے نبی کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا اور آپ نے اس امانت عظمیٰ کو ائمہ طاہرین کو ودیعت اعطا فرمایا ہے اور حضرت کے جانشین اور خلفائے برحق نے اپنی عمر کے تمام نشیب و فراز میں اس ذمہ داری کو پہنچانے کی کوشش فرمائی ہے جو آج تک ان تمام ادوار کو طے کرتا ہوا ہمارے سامنے حدیثوں اور روایتوں کی کتابوں میں موجود ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ امام زمانہ تک ہماری رسائی ممکن نہیں ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں اور وظائف کو حضرت سے دریافت کر سکیں، لہذا مجبور ہیں کہ حدیثوں اور قرآنی آیات سے احکام کا استنباط کریں اور اگر اس پر بھی قادر اور دست رسی نہیں رکھتے تو ضروری ہے کہ کسی مجتہد اعلم (سب سے زیادہ علم رکھنے والا) کی تقلید کریں۔

ان روایات و احادیث میں کھری کھوٹی، صحیح و غلط و ضعیفی و جعلی و غیرہ کے سمندر سے گوہر کا الگ کرنا ہر ایک کے بس کا میں نہیں ہے اس لئے ضروری ہے کہ ایسے افراد کا انتخاب کیا جائے جو اس بحر بیکراں میں غواصی کر رہے ہوں، جو اس سمندر کی طغیان اور طوفان سے خوب واقف ہوں جنہوں نے اس کو حاصل کرنے کے لئے رات و دن نہ دیکھا، عمر کے لمحات کو نہ شمار کیا ہو، علوم کے سمندر کی تہ میں بیٹھے ہوں اس کی راہوں سے خوب واقف ہوں اس میں سے گوہر و موتی نکالنے میں ان کے لئے کوئی مشکل کام نہ ہو، ایسے افراد کو مجتہد کہتے ہیں۔

لہذا ہم مجبور ہیں کہ اپنی ذمہ داریوں کو طے کرنے کے لئے ان کے دامن کو تھامیں کیونکہ اس کام کے ماہر وہی ہیں، مریض ڈاکٹر ہی کے پاس تو جائے گا، یہ ایک عقلی قاعدہ ہے جس چیز کے متعلق معلوم نہیں اس علم کے ماہر و متخصص سے پوچھو اور حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی دور دراز رہنے والوں کے لئے قریب کے عالم کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ البتہ تقلید میں یہ چیز ذہن نشین رہے، کہ ایسے مجتہد کی تقلید کی جائے جو تمام مجتہدین میں اعلم (جو احکام خدا کو سمجھنے میں سب سے زیادہ جاننے والا ہو) عادل و پرہیزگار ہو پس اس کے حکم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، مجتہدین اکثر موارد میں اتفاق نظر رکھتے ہیں، سوائے بعض

جزئیات کے کہ جس میں اختلاف پایا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ ان جزئیات میں ایک دوسرے کے خلاف قویٰ دیں۔ اس مقام پر یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ خداوند عالم کے پاس فقط ایک حکم موجود ہے اس کے علاوہ کوئی حکم نہیں پایا جاتا وہی حق ہے، اور حکم حقیقی و واقعی قویٰ کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتا ہے، مجتہدین بھی نہیں کہتے ہیں کہ خدا کے نظریات و احکام ہمارے نظریات و خیالات کے تابع ہیں یا ہمارے حکم کی تبدیلی سے خدا کا حکم بدل جاتا ہے۔ پھر آپ ہم سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے: قویٰ میں اختلاف کی نوعیت کیا ہے؟ فقہا آپس میں اختلاف کیوں رکھتے ہیں؟ ایسی صورت میں آپ کے سوال کا جواب یہ ہوگا کہ: قویٰ میں اختلاف ان وجوہ میں سے کسی ایک کی بنا پر ممکن ہے۔

پہلا: کبھی ایک مجتہد حکم واقعی کو سمجھنے میں شک کرتا ہے تو اس حال میں قطعی حکم دینا ممکن نہیں ہوتا لہذا احتیاط کی رعایت کرتے ہوئے مطابق احتیاط قویٰ دیتا ہے تاکہ حکم الہی محفوظ رہے، اور مصلحت واقعی بھی نہ نکلنے پائے۔

دوسرا: کبھی اختلاف اس جہت سے ہوتا ہے، کہ دو مجتہدین جس روایت کو دلیل بنا کر قویٰ دیتے ہیں وہ روایت کو سمجھنے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں، ایک کہتا ہے امام اس روایت میں یہ کہنا چاہتے ہیں اور دوسرا کہتا ہے امام کا مقصود دوسری چیز ہے، اس وجہ سے ہر ایک اپنی سمجھ کے مطابق قویٰ دیتا ہے۔

تیسرا: حدیث کی کتابوں میں کسی مسئلہ کے اوپر کئی حدیثیں موجود ہیں جو باہم تعارض رکھتی ہیں ہاں فقیہ کو چاہیے کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے اور اس کے مطابق قویٰ دے۔ یہاں ممکن ہے کہ مجتہدین کا نظریہ مختلف ہو ایک کے فلاں اور فلاں جہت سے یہ روایت اس روایت پر مقدم ہے اور دوسرا کہے، فلاں و فلاں جہت سے یہ روایت اس روایت پر ترجیح رکھتی ہے پس ہر ایک اپنے مد نظر روایت کے مطابق قویٰ دیتا ہے۔ البتہ اس طرح کے جزئی اختلافات کہیں پر ضرر نہیں پہنچاتے بلکہ محققین اور متخصصین و ماہرین کے نزدیک ایسے اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں آپ کئی انجینیر، اور مہارت رکھنے والے کو نہیں پا

سکتے جو تمام چیزوں میں ہم عقیدہ و اتفاق راہی رکھتے ہوں۔ ہم مذکورہ مطالب سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں : ۱: تقلید کرنا کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ہر شخص جس فن میں مہارت نہیں رکھتا ہے اس فن میں اس کے متخصص و ماہر کے پاس رجوع کرتا ہے، جیسے گھر وغیرہ بنوانے کے معاملہ میں انجینیر اور بیماری میں ڈاکٹر اور بازار کی قیمت کے متعلق دلال کے پاس جاتے ہیں پس احکام الہی حاصل کرنے کے لئے مرجع تقلید کی طرف رجوع کریں اس لئے کہ وہ اس فن کے متخصص و ماہر ہیں۔

۲۔ مرجع تقلید : من مانی اور ہوا و ہوس کی پیروی میں قوی نہیں دیتے بلکہ تمام مسائل میں ان کا مدرک قرآن کی آیات و احادیث پیغمبرؐ اور ائمہ طاہرینؑ ہوتی ہے۔

۳۔ تمام مجتہدین، اسلام کے کئی مسائل بلکہ اکثر مسائل جزئی میں بھی ہم عقیدہ اور نظری اختلاف نہیں رکھتے ہیں۔

۴۔ بعض مسائل جزئیہ جس میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ مجتہدین اختلاف کرنا چاہتے ہیں بلکہ تمام مجتہدین چاہتے ہیں کہ حکم واقعی خدا جو کہ ایک ہے اس کو حاصل کریں اور مقلدین کے لئے قرار دیں، لیکن استنباط اور حکم واقعی کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے پھر چارہ ہی کوئی موجود نہیں رہتا مگر یہ کہ جو کچھ سمجھا ہوا ہے اس کو بیان کریں اور لکھیں جب کہ حکم واقعی ایک حکم کے علاوہ نہیں ہے۔ مقلدین کے لئے بھی کوئی صورت نہیں ہے مگر اعلم کے قوے پر عمل کریں اور خدا کے نزدیک معذور ہوں۔

۵۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ دنیا کا ہر متخصص و محقق و ماہر چاہے جس فن کے بھی ہوں ان کے درمیان اختلاف نظر پایا جاتا ہے، لیکن لوگ امر عادی سمجھتے ہوئے اس پر خاص توجہ نہیں دیتے ہیں اور اس سے اجتماعی امور میں کوئی رخنہ اندازی بھی نہیں ہوتی ہے مجتہدین کے بعض جزئیات میں اختلافی قوے بھی اس طرح کے ہیں، اس کو امر غیر عادی نہیں شمار کرنا چاہیے۔

۶: ہمیں چاہیے کہ ایسے مجتہد کی تقلید کریں جو تمام مجتہدین سے اعلم ہو، اور احکام الہی کے حاصل کرنے میں سب سے زیادہ مہارت رکھتا ہو نیز عادل و پرہیزگار جو اپنے وظیفہ و ذمہ داری پر عمل کرتا ہو اور قانون و شریعت کی حفاظت کے لئے کوشاں ہو۔

### اسلام میں رہبری و قیادت

جمہوریہ اسلامی ایران کے رہبر فقہا و مجتہدین صاحب شرائط سے منتخب کئے جاتے ہیں جمہوریہ اسلامی ایران کے بنیادی قانون میں رہبر کے لئے تین شرطیں بیان کی گئی ہے۔ ۱۔ علمی صلاحیت رکھتا ہو جو فقہ کے کسی باب میں قویٰ دینا چاہے تو دے سکے۔

۲۔ امت اسلام کی رہبری کے لئے تقویٰ و عدالت ضروری ہے۔

۳۔ سیاسی و اجتماعی بصیرت کا حامل ہو نیز تدبیر و شجاعت و بہادری رہبری و مدیریت کے لئے کافی قدرت و طاقت رکھتا ہو۔ سب سے پہلے رہبری کی ذمہ داری اسلامی جمہوریہ کے بانی آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی قدس سرہ کے اوپر تھی، اور پھر ان کے بعد رہبر کے انتخاب کی ذمہ داری خبرگان کے اوپر ہے (مجلس خبرگان میں مجتہدین و فقہا میں جو رہبری کے لئے کسی کو منتخب کرتے ہیں) حضرت امام خمینیؑ کے بعد حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی میں رہبری و قیادت کے تمام شرائط موجود پا کر آپ لوگوں کے سامنے پیش کیا، ولایت امر اور اس سے مربوط تمام تر مسائل کی ذمہ داری رہبر کے اوپر ہے۔

## فهرست مصادر

- ١- اثابة الهداة..... محمد بن حسن حرعالمی
- ٢- ارشاد..... شیخ مفید
- ٣- بحار الانوار..... محمد باقر بن محمد تقی مجلسی
- ٤- البداية والنهاية..... ابوالفداء اسماعیل بن محمد عمر دمشقی (ابن کثیر)
- ٥- توضیح المسائل..... مراجع تقلید
- ٦- حياة القلوب..... محمد باقر بن محمد تقی مجلسی
- ٧- سفينة البحار و مدينة الحكم والآثار..... شیخ عباس بن محمد رضا قمی
- ٨- کشف الغممة..... علی بن عیسی اربلی
- ٩- محجة الیضاء..... ملا محسن فیض کاشانی
- ١٠- مناقب آل ابی طالب..... ابن شهر آشوب
- ١١- نبع البلاغة..... سید رضی
- ١٢- وافی..... ملا محسن فیض کاشانی
- ١٣- وسائل الشیعة..... محمد بن حسن حرعالمی

١٢- ینایج المودة ..... سلیمان بن ابراهیم قندوزی